حکومت بہار
اردو ڈائرکٹوریٹ
بہار، پٹنہ

سلسلہ نمبر۔ ۱۵

عبدالغفور شہباز

ڈاکٹر جمیل اختر

Monograph-15

Abdul Ghafoor Shahbaz

By : Dr. Jamil Akhtar

عبدالغفور شہباز بہار کے ان کا بلند مرتبت شعراء میں تھے، جنھوں نے اپنی سخندانی، سخن پروری، انقلاب پسندی اور انفرادیت کے سبب ملک گیر شہرت اور مقبولیت حاصل کی۔ آپ کی پیدائش ریاست بہار کے نالندہ ضلع کے ''سرمیرا'' نامی قصبے میں ہوئی۔ پہلے یہ پٹنہ ضلع کا ایک حصہ تھا۔

شہباز صرف ایک اعلیٰ مرتبت شاعر ہی نہیں بلکہ وہ ایک ادیب، محقق، صحافی اور طنز و مزاح نگار بھی تھے۔ انھوں نے بچوں کے لئے بھی بہت ساری نگارشات چھوڑی ہیں۔ نظیرا کبرآبادی کی شاعری سے وہ بے حد متاثر تھے۔ اس سلسلے میں ان کی بہترین تصنیف ''زندگانی بے نظیر''، قابلِ مطالعہ ہے۔ اس کتاب کے مطالعے سے ان کی تنقیدی شعور کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

صحافت کے شعبے میں بھی شہباز کا عمل دخل رہا ہے۔ انھوں نے کلکتے سے نکلنے والے اخبار ''دارالسلطنت'' سے اپنی صحافت کا آغاز کیا، اس کے علاوہ وہ کئی اخباروں اور جریدوں سے وابستہ رہے۔ یہاں بھی شہباز نے اپنا انفرادی نقش قائم کیا اور صحافت کو ایک مثبت رخ دینے میں کامیاب رہے۔

عبدالغفور شہباز بنیادی طور پر ایک شاعر تھے۔ انھوں نے نظمیں اور غزلیں دونوں لکھیں۔ ان کے علاوہ انھوں نے قصیدہ، مرثیہ، قطعات، رباعی وغیرہ پر بھی کامیاب طبع آزمائی کی اور قیمتی سرمایہ چھوڑا۔ ان کے شعری اسلوب میں تازگی اور شگفتگی کا احساس ہوتا ہے۔ جس نے ان کو دنیائے سخن میں ایک شعری شناخت اور شہرت عطا کی۔ ان کی شاعری میں عصری رنگ اور شعری حسیّت نمایاں ہیں۔

شہباز کے تین شعری مجموعے دستیاب ہیں۔ ۱۔ خیالات شہباز (۱۹۱۶ء)، ۲۔ تفریح القلوب (۱۹۴۲ء) اور ۳۔ رباعیات شہباز (۱۹۸۲ء)۔ یہ مجموعے بڑے وقیع اور قابلِ قدر ہونے کے سبب عبدالغفور کی ادبی زندگی کی بقا کے ضامن ہیں۔

ڈاکٹر جمیل اختر ایک وسیع المطالعہ، ادیب، محقق نقاد اور مبصر ہیں۔ بطور خاص فکشن کی تحقیق اور تنقید ان کا میدان عمل ہے۔ وہ ماہر قرۃ العین حیدر، بھی ہیں۔ انھوں نے قرۃ العین حیدر سے دنیا کا سب سے طویل انٹرویو لیا، جو تقریباً ڈھائی سو صفحات پر مشتمل ہے۔ انھوں نے قرۃ العین حیدر کی گیارہ جلدوں میں کلیاّت بھی ترتیب دی ہے، جو ایک کارنامہ ہے۔ اس سے قبل انھوں نے آٹھ جلدوں میں بلونت سنگھ کی کلیات شائع کی تھی۔ ماہنامہ 'آجکل' کا اشاریہ ترتیب دے کر انھوں نے اشاریہ سازی کی روایت شروع کی۔ اب تک ان کی تقریباً چالیس بیش قیمت تصانیف شائع ہو چکی ہیں۔ ان میں کئی کتابیں آکسفورڈ یونیورسٹی پریس اور کراچی و لاہور سے شائع ہوئی ہیں۔ ان کی وقیع خدمات زبان و ادب کے پیش نظر کئی انعام و اعزاز سے سے نوازا جا چکا ہے۔

—— اسلم جاوداں

प्रकाशक
उर्दू निदेशालय
मंत्रिमंडल सचिवालय विभाग, बिहार, पटना

معمارِ دبستانِ بہار

فرد نامہ

عبدالغفور شہباز

ڈاکٹر جمیل اختر

طابع وناشر:

اردو ڈائرکٹوریٹ

محکمہ کابینہ سکریٹریٹ، حکومت بہار، پٹنہ

© جملہ حقوق بحق اردو ڈائرکٹوریٹ، محکمہ کابینہ سکریٹریٹ، حکومت بہار محفوظ

سلسلہ نمبر۔۱۵

Abdul Ghafoor Shahbaaz

By

Dr. Jameel Akhtar

نام کتاب	:	عبدالغفور شہباز
مصنف	:	ڈاکٹر جمیل اختر
سال اشاعت	:	2022ء
کل صفحات	:	150
کمپوزنگ وتزئین	:	محمد سعید احمد
سرورق	:	امجد حسین ڈیزائن سنٹر، پٹنہ
طابع	:	نیو فائن آرٹ آفسیٹ، درگاہ روڈ، پٹنہ۔٦

ملنے کا پتہ:

اردو ڈائرکٹوریٹ، سی. بلاک، 111، آفیسرس فلیٹ، بیلی روڈ، پٹنہ۔۸۰۰۰۰۱

فون نمبر : 0612-2530093، ای میل : directorurdu@gmail.com

فہرست

- پیش لفظ — احمد محمود — 5
- ابتدائیہ — ڈاکٹر جمیل اختر — 7
- **باب حیات**

عبدالغفور شہباز : ایک نظر میں — 9

خاندانی پس منظر، متوطن، پیدائش، نام، بچپن اور ماحول

تعلیم، مشاغل، شادی، اولادیں، وفات

- **تخلیقی سفر**

ادبی زندگی کا آغاز — 21

نظم نگاری — 22

غزل گوئی — 33

بحیثیت رباعی گو — 38

طنز و ظرافت — 42

ادبِ اطفال — 48

- **دیگر ادبی جہات**

صحافتی جہت — 54

ترجمہ نگاری — 55

مکتوب نگاری — 57

- **شعری تخلیقات کا تعارف**

رباعیاتِ شہباز — 70

خیالاتِ شہباز — 70

تفریح القلوب — 71

باقیاتِ شہباز — 72

- **نثری تالیفات**

کلیاتِ نظیر — 74

خیالاتِ آزاد — 76

موعظہ حسنہ — 76

مقالات جمالیہ — 77

سوانح عمری مولانا آزاد — 77

نوابی دربار — 78

- **نثری تصنیف**

زندگانی بے نظیر — 79

- **انتخاب کلام**

نظمیں، غزلیں، قطعات اور رباعیات — 86

- حواشی — 147
- کتابیات — 148

پیش لفظ

دبستان لکھنؤ، دبستان دہلی اور دبستان دکن کی طرح اپنے مخصوص اور بیش قیمت شعری و ادبی روایت اور سرمائے کی بنیاد پر دبستان بہار بھی ایک اہمیت کا حامل ہے۔

سرزمین بہار میں شعر وادب کی یکتائے زمانہ اور باکمال شخصیتیں ہر دور میں ظہور پذیر ہوتی رہی ہیں اور اپنے کمالِ فن سے دنیائے ادب میں بہار کا نام روشن کرتی رہی ہیں۔

شادؔ عظیم آبادی، امداد امام اثرؔ، شوقؔ نیموی، فضلِ حق آزاد، بیدل عظیم آبادی، انجم مانپوری، اختر اورینوی، جمیل مظہری، سہیل عظیم آبادی، کلیم الدین احمد، قاضی عبدالودود، کلیم عاجزؔ، مظہر امام، عبدالصمد، شوکت حیات، احمد یوسف اور شفیع مشہدی جیسی بے مثل اور یکتائے زمانہ ادبی شخصیتوں نے پوری ادبی دنیا میں بہار کی شعری و ادبی عظمت و اہمیت کا پرچم لہرایا اور دبستان بہار کو مضبوط شناخت عطا کی۔ دبستان بہار کی شعری و ادبی روایت اس قدر مقتدر اور وقیع ہے کہ دنیائے ادب اسے بڑی قدر و منزلت کی نظر سے دیکھتی ہے اور ان کا اعتراف کرنے پر مجبور ہے۔

اردو ڈائرکٹوریٹ، محکمہ کابینہ سکریٹریٹ دبستان بہار کی جملہ سرکردہ اور مقتدر ادبی شخصیتوں کی وقیع خدمات شعر وادب کا اعتراف کرتا ہے۔ ان کے ادبی سرمایہ کو محفوظ رکھنے اور اسے نئی نسل تک پہنچانا اپنا نصب العین سمجھتا ہے۔ اس مقصد کے پیش نظر اردو ڈائرکٹوریٹ نے گزشتہ دنوں دس مشاہیر ادب بہار ۱۔ شادؔ عظیم آبادی، ۲۔ پرویزؔ شاہدی، ۳۔ کلیم الدین احمد، ۴۔ رضا نقوی واہیؔ، ۵۔ علامہ واقفؔ عظیم آبادی، ۶۔ عبدالمغنی، ۷۔ وہاب اشرفی، ۸۔ رمزؔ عظیم آبادی، ۹۔ شین مظفر پوری، ۱۰۔ کلیم عاجزؔ کے فردنامے (مونوگراف) شائع کرائے۔ ان فردناموں کا ادبی دنیا میں زبردست استقبال کیا گیا اور اردو ڈائرکٹوریٹ کی اس پیش کش کو اہم اور قیمتی قرار دیا گیا نیز مزید مشاہر دبستان بہار پر فردنامے کی اشاعت کا مطالبہ بھی کیا گیا ہے۔

اردو ڈائرکٹوریٹ نے دانشوران شعر وادب کی ایک اہم مشاورتی نشست میں مشوروں کے بعد اتفاق رائے سے مزید ۳۲ فردناموں کی اشاعت کا فیصلہ لیا۔ جن گراں قدر ادبی شخصیتوں پر فردناموں

کی اشاعت کا فیصلہ لیا گیا ان کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں۔

۱۔ امداد امام اثرؔ، ۲۔ فضل حق آزاد عظیم آبادی، ۳۔ شوقؔ نیموی، ۴۔ انجم مانپوری، ۵۔ یاس یگانہ چنگیزی، ۶۔ بیدل عظیم آبادی، ۷۔ قاضی عبدالودود، ۸۔ جمیل مظہری، ۹۔ اختر اورینوی، ۱۰۔ سہیل عظیم آبادی، ۱۱۔ شکیلہ اختر، ۱۲۔ حسن نعیم، ۱۳۔ غیاث احمد گدی، ۱۴۔ کلام حیدری، ۱۵۔ احمد یوسف، ۱۶۔ صدیق مجیبی، ۱۷۔ احمد جمال پاشا، ۱۸۔ اویس احمد دوراںؔ، ۱۹۔ لطف الرحمٰن، ۲۰۔ اسرار جامعی، ۲۱۔ جمیلہ خدابخش، ۲۲۔ رشیدۃ النساء، ۲۳۔ بیتاب صدیقی، ۲۴۔ قمر اعظم ہاشمی، ۲۵۔ راسخؔ عظیم آبادی، ۲۶۔ عبدالغفور شہباز، ۲۷۔ پیغام آفاقی، ۲۸۔ غلام سرور، ۲۹۔ عطاء الرحمٰن عطا کاکوی، ۳۰۔ مظہر امام، ۳۱۔ اجتبیٰ رضوی، ۳۲۔ کیف عظیم آبادی۔

سید عبدالغفور شہباز بہار کے نامور اور مقبول شاعر تھے۔ ان کی پیدائش نالندہ ضلع بہار کے قصبہ سرمیرا کے ایک خوشحال سادات گھرانے میں ہوئی۔ یہ گھرانہ برسوں سے اپنے علم وفضل کے اعتبار سے نمایاں حیثیت کا حامل تھا۔ چونکہ انھوں نے ایک علمی اور خوشحال گھرانے میں آنکھیں کھولی تھیں اس لئے اس زمانے کی روایت کے مطابق شعر وسخن میں دلچسپی لینے لگے اور بہت جلد اس میدان میں شہرت اور مقبولیت حاصل کر لی۔ اُن کی نگارشات شعر وسخن کا گراں قدر سرمایہ ہیں۔

اس فردنامے کے مصنف ڈاکٹر جمیل اختر ایک کہنہ مشق ادیب، محقق، نقاد اور مبصر ہیں۔ فکشن اِن کا خاص میدان عمل ہے۔ اُن کی کئی معتبر اور بیش قیمت تحقیقی وتنقیدی کتابیں منظرِ عام پر آ چکی ہیں۔ عبدالغفور شہباز پر ان کا یہ فردنامہ تحقیق اور پیش کش کے اعتبار سے ایک بہترین اور معتبر تصنیف کی حیثیت رکھتا ہے۔

مجھے امید ہے کہ عبدالغفور شہباز کی شخصیت اور اُن کی شاعری کا بخوبی احاطہ کرنے والی، اردو ڈائرکٹوریٹ کی یہ پیش کش آپ کو ضرور پسند آئے گی۔

احمد محمود
ڈائرکٹر، اردو ڈائرکٹوریٹ
محکمہ کابینہ سکریٹریٹ، پٹنہ

ابتدائیہ

سیدعبدالغورشہباز کا شمار اپنے عہد کے قادرالکلام اور انقلاب پسند شاعروں میں ہوتا ہے۔ اپنے اسلوب کی انفرادیت وشادابی اور تخلیقی برتاؤ کی وجہ سے وہ ملک گیر شہرت رکھتے تھے۔ وہ بہار میں نظم جدید کے اولین معماروں میں ایک ہیں۔ وہ اقبال کے پیش رو، حالی و اکبرالہٰ آبادی کے ہمسفر اور ڈپٹی نذیر احمد کے نہایت قریبی تھے۔ ان کا تعلق بہار کے بہت ہی معزز، ذی علم اور نجیب الطرفین سادات خاندان سے تھا۔ وہ سرمیرا، نامی قصبہ کے رہنے والے تھے، جو اب پٹنہ میں بہار سب ڈویژن کے تحت آتا ہے نئی حد بندی میں یہ نالندہ کا ایک بلاک بن گیا ہے۔

شہباز کی شخصیت کثیر الجہات تھی۔ وہ بیک وقت شاعر، ادیب، صحافی، مترجم، محقق، بچوں کے ادیب، طنز وظرافت نگار کے ساتھ ساتھ ماہر نظریات بھی تھے۔ ان کی تصنیف ''زندگانی بےنظیر'' ادبی دنیا میں اعتبار استناد کا درجہ رکھتی ہے۔

شہباز نے ''داراسلطنت'' اخبار کلکتہ کی ادارت سے صحافتی زندگی کا آغاز کیا اور پھر مختلف جریدوں کی یکے بعد دیگرے ادارتی ذمہ داری نبھاتے ہوئے اس میدان میں اپنی انفرادیت کا وہ نقش قائم کیا جو اس عہد کی صحافت کا معیار قرار پایا۔ یہ کوئی معمولی کارنامہ نہیں تھا۔ اس سے شہباز کی ذہانت وفطانت اور ان کی علمی استعداد کا بھی پتہ چلتا ہے۔

شہباز بنیادی طور پر نظم کے شاعر تھے۔ لیکن انھوں نے شاعری کی دوسری اصناف جیسے غزل، قصیدہ، مرثیہ، نوحہ، تضمین، قطعات، رباعی سب پر طبع آزمائی کی، لیکن جدید نظم کے لیے زیادہ تر مثنوی اور مسدس کے فارم کو برتا۔ شہباز نے اپنے عہد کی زندگی کے بدلتے تقاضوں کے تحت عہد جدید سے ہم آہنگ موضوعات کو اپنی شاعری میں جگہ دی اور اپنے عہد کی موثر ترجمانی کی۔ اسلوب کی تازگی وندرت اور اظہار بیان کے نت نئے انداز نے اپنے عہد کے شعرا میں ان کو الگ پہچان دی اور شہباز ملک گیر شہرت کے حامل شعرا میں شمار کیے جانے لگے۔

شہباز کے اب تک تین شعری مجموعے خیالات شہباز (1916ء) تفریح القلوب (1942ء) اور رباعیات شہباز (1982ء) شائع ہو چکے ہیں۔ ان مجموعوں میں کل 121 نظمیں شامل ہیں۔ یہ تمام نظمیں اپنے موضوع، عنوان اور فکر وخیال میں ندرت وجدت سے بھرپور ہیں۔ عصری حسیت سے لبریز اور مشاہدات زمانہ کی رنگ برنگی تصویریں پیش کرتی ہوئی یہ نظمیں ہمیں بھرپور تازگی کا احساس کراتی ہیں۔ شہباز نے عصری تقاضے کو ملحوظ رکھتے ہوئے نئے مضامین وموضوعات کے ذریعے اردو شاعری کو ایک نئے آفاق سے متعارف کرایا۔ شہباز کا یہی کارنامہ اسے رہتی دنیا تک زندہ جاوید رکھنے کے لیے کافی ہے۔

شہباز سے میرا پہلا تعارف ''زندگانی بےنظیر'' کے ذریعے ہوا۔ کتاب پڑھنے کے بعد ان کے بارے میں مزید جاننے کا تجسس برقرار رہا کہ اسی اثنا میں اردو ڈائرکٹوریٹ سے ان پر ''فردنامہ'' لکھنے کی فرمائش نے میرے حوصلے کو مہمیز کیا اور لاک ڈاؤن کے مشکل ترین دور میں جب کہ تمام علمی ادارے اور لائبریریاں بند تھیں۔ میں نے خوشگوار مشکلات کے باوجود اپنی جستجو کو منزل عطا کی اور یہ مرحلہ بہ حسن وخوبی انجام پذیر ہوا۔ اس میں بہت کچھ ہاتھ ڈاکٹر اسلم جاوداں، اردو ڈائرکٹوریٹ کے اردو پروگرام آفیسر کا بھی ہے جن کی فعال شخصیت نے اپنے محبت بھرے تقاضے سے یہ کام کرواہی دیا۔ برادر محترم ڈاکٹر نجیب اختر نے مواد کی فراہمی میں میری بے حد مدد کی جس سے مجھے کافی حوصلہ ملا۔ ڈاکٹر عطا خورشید اسسٹنٹ لائبریرین مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ اور ڈاکٹر صوفیان احمد ڈپٹی لائبریرین جامعہ ملیہ اسلامیہ کا بھی بے حد شکرگزار ہوں، جنھوں نے اس مشکل گھڑی میں میرے ساتھ مکمل تعاون کیا۔ جس سے میں فردنامہ شہباز کو مکمل کرنے میں کامیاب ہوسکا۔ اردو ڈائرکٹوریٹ کے تمام اسٹاف کا بے حد شکرگذار ہوں جنھوں نے اس کی تزئین وآرائش میں میری مدد کی۔ واٹس اَپ گروپ کے ان افراد کا بھی شکریہ جنھوں نے کتاب کی پی.ڈی.ایف. فائل تلاش کرنے میں میری مدد کی۔ آخری شکریہ اپنی رفیقہ حیات اور دونوں بیٹوں کا جنھوں نے مجھے بھرپور تعاون دیا اور اپنا بیش قیمتی وقت ادب کی خدمت کے لیے مجھے وقف کردیا اللہ انھیں جزائے خیر دے۔ آمین!

ڈاکٹر جمیل اختر
علی گڑھ

عبدالغفور شہباز : ایک نظر میں

- نام : سید عبدالغفور
- تخلص : شہباز
- والد کا نام : سید طالب علی
- پیدائش : 1857
- وطن : سرمیرا ضلع پٹنہ
- نانہال : باڑھ، ضلع پٹنہ
- تعلیم : ☆ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی

☆میٹرک، مظفر پور، ہائی اسکول

☆انٹر، مظفر پور، ہائی اسکول۔

1876 (امتحان نہیں دیا)

☆انٹر نیشنل کالجیٹ اسکول، پٹنہ۔

1886 (امتیازی نمبروں سے پاس کیا)

☆ایف۔اے۔نیشنل کالجیٹ اسکول، پٹنہ۔

1889

☆بی۔اے۔نیشنل کالجیٹ اسکول، پٹنہ۔ داخلہ لیا مگر مکمل نہیں کیا۔

- مشاغل : ☆ سید محمد آزاد کے بچوں کے اتالیق مقرر ہوئے۔ 1879

☆مدیر۔اخبار دارالسلطنت، کلکتہ 1881

☆ناظم، مذاکرہ علمیہ کلکتہ 1882

☆پرائیویٹ سکریٹری: وزیر اعظم ریاست بھوپال 1885

☆مترجم: نظام حیدرآباد کی سکریٹریٹ میں 1896

☆پروفیسر۔علم طبیعات، انٹرمیڈیٹ کالج اورنگ آباد 1897

- شادی : پہلی: شمس النساء خاتون بنت منشی داؤد علی ساکن باڑھ، ضلع پٹنہ 1878

دوسری: اشرف النساء بیگم بنت نواب سید محمد آزاد۔ 1897

- اولادیں : پہلی بیوی سے نو اولادیں ہوئیں۔ سبھی نوعمری میں انتقال کر گئے۔

دوسری بیوی سے ایک اولاد محمد عاشر ہوئی۔ والدہ دو سال کی عمر میں چھوڑ رانتقال کرگئیں۔

- وفات : 30/دسمبر 1908
- تدفین : کلکتہ میں ہوئی۔
- ادبی سرمایہ : شعری تخلیقات:

1۔رباعیات شہباز۔ 1891

2۔خیالات شہباز۔ 1916

3۔تفریح القلوب۔ 1942

4۔باقیات شہباز۔ 1982

- نثری نگارشات:

1۔تالیفات:

☆کلیات نظیر 1900

☆خیالات آزاد 1887

☆موعظہ حسنہ 1887

☆مقالات جمالیہ 1881

☆سوانح عمری مولانا آزاد (ڈراما) 1891

☆نوابی دربار (ڈراما) 1901

2۔تصنیف:

☆زندگانی بے نظیر،نول کشور پریس،لکھنؤ 1900

3۔مکتوبات:

☆نامہ شوق۔مرتب ڈاکٹر سید صابر حسین 1980

☆مکتوبات شہباز مرتب۔ڈاکٹر سید صابر حسین 1989

- ادبی جہتیں:

☆ شاعر (نظم نگاری،غزل گو،رباعی گو)

☆ صحافی

☆ مترجم

☆ بچوں کے ادیب

☆ محقق

☆ مکتوب نگار

☆ نثر نگار

بابِ حیات

سید عبدالغفور شہباز بہار میں جدید نظم کے اولین معماروں میں ایک ہیں۔ان کا شمار اپنے عہد کے قادرالکلام اور انقلاب پسند شاعروں میں ہوتا ہے۔اپنے اسلوب کی انفرادیت وشادابی اور تخلیقی برتاؤ کی وجہ سے ملک گیر شہرت رکھتے تھے وہ اقبال کے پیش رو، حالی واکبرالہٰ آبادی کے ہمسفر اور ڈپٹی نذیر احمد کے نہایت قریبی تھے۔ان کا کلام بہار میں نظم نگاری کی تاریخ کے اولین دور کے اہم سرمایہ کی حیثیت سے ہمارے پیش نظر ہے۔

خاندانی پس منظر

عبدالغفور شہباز کا تعلق بہار کے بہت ہی معزز، ذی علم اور نجیب الطرفین سادات خاندان سے تھا ان کا خاندان ہمیشہ سے ہی عزت ووقار کا حامل رہا ہے۔سید افتخار عالم مارہروی جو شہباز کے قریبی احباب میں تھے۔انھوں نے حالات شہباز رقم کرتے ہوئے ان کے حسب نسب سے متعلق لکھا ہے۔:

> ''صوبہ بہار میں سادات نجیب الطرفین ہونے کے سبب سے ان کا خاندان ہمیشہ معزز وموقر رہا ہے۔''(1)

ڈاکٹر اختر اورنیوی کا کہنا کہ:

> ''صوبہ بہار کے سادات میں ان کا خاندان معزز وموقر رہا ہے۔''(2)

سید شہباز کے والد بزرگوار کا اسم گرامی سید طالب علی تھا۔آپ علم وفضل کی برکتوں سے بہرہ ور تھے۔ عربی وفارسی زبان پر دسترس رکھتے تھے۔ بیٹے کی تعلیم وتربیت پر اوائل عمری میں ہی خصوصی توجہ صرف کی یہی وجہ ہے کہ اخلاق وکردار میں نجیب الطرفین گھرانے کا وہ رنگ عمر بھر جھلکتا رہا۔خاندانی عزّ وجاہ پر کبھی آنچ نہ آنے دی۔

مُتَوطِّن

عبدالغفور شہباز کے اجداد 'سرمیرا' نامی ایک قصبہ کے رہنے والے تھے۔ یہ قصبہ بہار کے ضلع پٹنہ میں باڑھ سب ڈویژن کے تحت آتا ہے۔ یہ قصبہ اب نئی حد بندی میں نالندہ کا ایک بلاک بن گیا ہے۔ یہی شہباز کا آبائی وطن ہے۔ لیکن شہباز نے عقل وشعور کی منزلوں میں قدم رکھتے ہی اپنی ننھیال کو اپنا وطن کرلیا تھا۔ اس لیے ''سرمیرا'' کی نسبت سے اکثر مزاحاً کہا کرتے تھے۔ ''نہ سرمیرا نہ گھر میرا'' ان کی ننھیال قصبہ باڑھ ضلع پٹنہ میں تھی۔

پیدائش

سیدعبدالغفور شہباز کی سال پیدائش کی بابت تذکرہ نگاروں کے بیان میں اختلاف رائے ہے۔ ولادت کی تاریخ قطعی طور پر معلوم نہیں۔ اعزا کے بیان اور تذکرہ نگاروں کے تجزیہ کے مطابق 1858 سال ولادت قرار پایا ہے ہاں جائے پیدائش میں کوئی اختلاف نہیں۔ پروفیسر ذکی الحق رقم طراز ہیں۔

> ''محمد عبدالغفور شہباز موضع 'سرمیرا' ضلع پٹنہ کے ایک خوشحال سید گھرانے میں پیدا ہوئے۔''(3)

خوشحال ہونے کے ساتھ ساتھ اس گھرانے میں علم وفضل کی روایت پہلے سے موجود تھی۔ یعنی صاحب ثروت خاندان تھا۔ اور والد اپنے علم وکمال کی بدولت گردونواح میں معروف تھے۔

نام

سید محمد عبدالغفور نام اور شہباز تخلص تھا۔ تخلص منفرد اور انوکھا ہے اور اردو شاعری میں ان سے پہلے اس تخلص کا کوئی شاعر اس قدر مشہور ومقبول نہیں ہوا۔ تخلص کی مناسبت سے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ ان کی جذبۂ انفرادیت کا بھی آئینہ دار ہے۔

بچپن اور ماحول

شہباز ایک سادات خوشحال اور تعلیم یافتہ گھرانے میں پیدا ہوئے جو صدیوں سے عزت وافتخار کا حامل تھا۔ بہار کے چند گنے چنے خاندانوں میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ والد سید طالب علی خود اپنے علم وفضل کی

وجہ سے شہرت وعزت رکھتے تھے۔ اسی علمی اور مالی طور پر مطمئن گھرانے میں شہباز نے آنکھ کھولی اور زندگی کی برکتوں سے فیض یاب ہوئے۔ ماحول میں علم کی خوشبو اور عملی زندگی میں آسودگی واطمینان کی اس خوش گوار فضا میں انھوں نے زندگی کی ابتدائی سانسیں لیں۔ جس نے آپ کے دل ودماغ پر خوش گوار اثرات مرتب کیے۔ تعلیم یافتہ والد کی نگرانی میں نشو ونما ہوئی اور مستحکم اقداری بنیادوں پر تربیت کی گئی جس کے فوائد سے زندگی بھر بہرہ یاب ہوئے۔ بچپن کے ابتدائی ایام آرام سے گزرے ناز ونعم سے پرورش وپرداخت ہوئی لیکن خوشحالی اور فارغ البالی کے یہ دن زیادہ دنوں تک قائم نہیں رہ سکے اور گھریلو حالات رفتہ رفتہ تنگ دستی کی جانب قدم بڑھانے لگے جس کا اثر ان کی تعلیم پر بھی پڑا اور تعلیم متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔ لیکن نامساعد حالات کے باوجود اپنے ذوق وشوق اور محنت وکاوش سے مختلف علوم وفنون میں مہارت حاصل کی۔ علم وفضل کی خاندانی روایت کو اپنی جودت طبع سے روانی بخشی اور خاندان کا نام روشن کیا۔

شہباز کی ذہنی نشو ونما اور شخصیت کی تعمیر وتشکیل میں بہت سے عوامل کارفرما رہے۔ گھریلو تربیت اور خاندانی ماحول کے اثرات کے ساتھ ساتھ اسکولی تعلیم اور ملازمت کے دوران جن اشخاص وشخصیات کے رابطے میں آئے، قربت نصیب ہوئی اور ان کی صحبتوں سے فیضیاب ہوئے، وہ سبھی شامل ہیں۔ تعلیم کے دوران اپنے برادر نسبتی مولوی سید عبدالعزیز سب جج مظفر پور، جو بعد میں خاں بہادر کے خطاب سے نوازے گیے جو ایک تعلیم یافتہ، مہذب، شائستہ مزاج وخوش اخلاق اور زندہ دل انسان تھے۔ شہباز نے ان سے بہت کچھ سیکھا۔ شہباز کی تعلیم اور ذہنی نشو ونما میں ان کا بڑا کردار ہے۔ دوسری شخصیت سید محمد آزاد اور سید محمود آزاد دونوں سگے بھائیوں کی ہے۔ جنھوں نے ملازمت کے دوران ان کی سرپرستی بھی کی۔ یہ دونوں اپنے وقت کے معروف ادیبوں میں تھے اور فارسی کے صاحب دیوان شاعر تھے۔ ان کی شفقت ومحبت اور مربیانہ نظر التفات کے زیر سایہ ان کی شخصیت کی تشکیل اور ادبی تربیت ہوئی۔

دوسری طرف شہباز نے جس دور اور ماحول میں آنکھ کھولی وہ ایک کشمکش کا دور تھا۔ انگریزوں نے 1857ء کی تحریک آزادی کو بہ زور قوت کچل ڈالا تھا اور اس انقلاب کو بغاوت کا نام دے دیا اور پورے ملک میں ظلم وستم کا وہ پہاڑ توڑا جسے سن کر رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ اس بغاوت نے عوام میں آزادی کا شعور بیدار کردیا تھا۔ اس ماحول میں شہباز نے 1858ء میں آنکھ کھولی۔ سن شعور پر جب پہنچے تو عوامی معاشرے میں اصلاحی تحریکوں کے ایک طویل سلسلے کی شروعات ہوچکی تھی۔ شہباز کی شخصیت کی تعمیر و

تشکیل اوران کی ذہنی نشو ونما انہی مختلف قومی تحریکوں کے زیرسایہ ہوئی۔ان کے دل و دماغ پران تحریکوں کا براہ راست اثر ہونا فطری تھا۔مشرقی اقدار وتہذیب اورمغربی طرز تمدن کی کشمکش کا اصل دور بھی یہی ہے۔ شہباز بھی اس تہذیبی تصادم سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔اثرات ہی کا نتیجہ ہے کہ انھوں نے نیچریت کی کھل کرمخالفت کی۔قوم کی زبوں حالی، معاشی اورتعلیمی پس ماندگی کودورکرنے کے لیے سرسید کی تحریک کا پرجوش خیر مقدم بھی کیا۔خواجہ الطاف حسین حالی، مولوی بشیر الدین احمد، مولانا راشدالخیری، مولوی عزیز مرزا اوراکبرالہ آبادی کی رفاقتوں کا اثر بھی ان پر ہوا۔اردوشاعری کے سلسلے میں حالی کی اصلاحی تحریک کی انھوں نے پرزورحمایت کی۔اورحالی کی نظم نگاری کی تحریک کوبھی تقویت پہنچائی۔اسی تحریک کے زیراثر شہباز نےنظم نگاری کوترجیحی طور پراختیار کیااورچھوٹے بڑے موضوعات پرمتعدد نظمیں لکھیں۔

مشہور عالم اورمحقق مولوی جمال الدین افغانی سے بھی شہباز نے بہت کچھ استفادہ کیا تھا۔عربی زبان و ادب کی بہت سی کتابیں باقاعدہ طور پران سے سبقاً سبقاً پڑھیں تھیں۔شہباز کی شخصیت کی تشکیل میں مولانا افغانی کے خیالات ونظریات کا بھی نمایاں حصہ رہا ہے۔شہباز کی شخصیت کی سادگی، بلندہمتی اورصبروقناعت کی خوبیاں ان ہی لوگوں کی صحبتوں کی دین ہے۔

تعلیم

عبدالغفورشہباز بچپن سے بہت ہی تیز وطرار اور ذہین وفطین تھے۔لوگ ان کی ذہانت وفطانت دیکھ کردنگ رہتے تھے خاندان میں تعلیم کی روایت پہلے سے موجود تھی۔والدخودتعلیم یافتہ تھے۔شہباز نے اس زمانے کی روایت کے مطابق ابتدائی تعلیم اپنے والد بزرگ گوار کے سایہ شفقت میں بارہ سال تک گھر پر ہی حاصل کی۔والد کی سرپرستی میں ان کی تعلیم وتربیت ہوئی اورانھیں جامع تعلیم دی گئی جس کی وجہ سے انھوں نے بہت جلداردوعربی اورفارسی میں کافی استعداد پیدا کرلی۔اور بے حد فصیح زبان لکھنے لگے۔اس کے بعد اسکول کی تعلیم کے لیے اپنے برادرنسبتی مولوی سیدعبدالعزیز سب جج مظفر پور کے پاس چلے آئے اور مظفر پور ہائی اسکول میں داخلہ لے لیااورانٹرنس تک کی تعلیم یہیں سے حاصل کی۔شہباز یہاں 1876ء تک مقیم رہے لیکن مالی مشکلات کی وجہ سے انٹرنس مکمل نہیں کرسکے۔خاندان کی مالی حالت جو پہلے بہت اچھی تھی۔اب بہت خراب ہوچکی تھی اورمزید بارتعلیم کی متحمل نہ ہوسکی۔جس کی وجہ سے انگریزی تعلیم ترک

کرنی پڑی۔

1879ء سے 1886ء تک معاش کی تلاش میں دربدر کی خاک چھاننے کے بعدانھیں یہ احساس شدت سے ہوگیا کہ اعلیٰ تعلیم کے بغیراچھی ملازمت دشوار ہے۔یہ سوچ کرانھوں نے نامساعد حالات کے باوجود1886 سے پھراپنا تعلیمی سلسلہ شروع کیا اورنیشنل کالجیٹ اسکول پٹنہ سے 1887ء میں انٹرنس کا امتحان امتیازی نمبروں سے پاس کیا اورحکومت سے تعلیمی وظیفہ بھی حاصل کیا۔پھر 1889ء میں بہار نیشنل کالج پٹنہ سے ایف اے پاس کیا اور بی اے میں داخل ہوگئے مگر بی اے مکمل نہ کرسکے۔امتحان سے کچھ دن قبل امراض قلب جیسی مہلک بیماری میں مبتلا ہوگئے اورامتحان میں شریک نہ ہوسکے اس طرح اعلیٰ تعلیم کا خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہ ہوسکا مگر ذاتی محنت ولگن سے انھوں نے مختلف علوم وفنون میں مہارت حاصل کرلی اورمشاہیرعلم وادب سے علمی استفادہ کی کوششیں جاری رہیں۔اپنے دوران قیام کلکتہ انھوں نے مولانا سید جمال الدین افغانی سے بھی عربی ادب وفن کی کئی کتابیں باقاعدہ پڑھیں ان کے درسوں میں شہباز باقاعدہ شریک ہوا کرتے تھے۔تالیفات شہباز، مقالات جمالیہ اورردنیچری اسی دوران کی یادگار ہیں۔اسی درمیان سرشتہ تعلیم حکومت بنگال سے عربی کا ایف اے کورس بھی کیا۔

ذریعہ معاش

حصول تعلیم کے دوران ہی مالی تنگی سے پریشان ہوکر درمیان میں ہی تعلیم ترک کردی معاشی مشکلات پرقابو پانے کے لیے ملازمت کی تلاش میں 1879ء میں اپنے برادرنسبتی خان بہادرسیدعبدالعزیز منصف مظفر پور کے یہاں آگئے۔حسن اتفاق ان دنوں رئیس بنگال اورمعروف شاعر وادیب سید محمد آزادرجسٹرار کے عہدے پر فائز تھے۔ان کے ساتھ ان کے بڑے بھائی نواب سیدمحمود آزادصاحب دیوان شاعرفارسی بھی مقیم تھے۔گھریلو تعلیم کے دوران ہی شہباز کومضمون نگاری اورشاعری کا شوق پیدا ہوگیا تھا۔اوررسائل میں چھپنے بھی لگے تھے۔اسی بیچ بڑے بڑے ادیبوں اورفنکاروں سے مراسلت کے ذریعے غائبانہ تعارف ہوا اور ربط وضبط پیدا ہوا۔آزاد برادران بھی ان میں سے ایک تھے۔آزاد برادران کو جب شہباز کے بارے میں پتہ چلا کہ وہ معاش کی تلاش میں ہیں توانھوں نے شہباز کواپنے بچوں کا اتالیق مقرر کرکے ان کو اپنی سرپرستی میں لے لیا اوراپنے یہاں ٹھہرالیا۔حسن اتفاق اسی دوران ایسٹ

انڈیا کمپنی کے زیر اہتمام کلکتہ سے اخبار ''دارالسلطنت'' کے اجرا کی تحریک ہوئی۔ سید محمد آزاد کی کوششوں سے وہ اخبار کے پہلے مدیر بحال ہوئے۔ یکم مئی 1881ء کو تیس روپے ماہانہ مع سہولت قیام وطعام اخبار میں ملازمت اختیار کر لی۔ ان کی ادارت میں اخبار نے خاصی ترقی کی۔ چند سال کے بعد جب اخبار بند کر دیا گیا تو شہباز وطن واپس لوٹ گئے۔ کچھ دنوں تک ادھر ادھر مختلف طرح کے کام کرتے رہے۔ جو ان کے مزاج سے مطابقت نہیں رکھتا تھا۔

اسی دوران نواب عبداللطیف خاں نے کلکتہ میں ''مذاکرہ علمیہ کلکتہ'' کے نام سے ایک ادبی انجمن کی بنیاد ڈالی اور شہباز کو دوبارہ کلکتہ بلا کر اس انجمن کا ناظم مقرر کر دیا۔ یہ واقعہ 3/ دسمبر 1882ء کا ہے۔ اسی مدت میں کچھ دنوں تک رسالہ ''نور بصیرت'' کلکتہ کی ادارت کی ذمہ داریاں بھی بحسن و خوبی نبھائی۔ 1884ء میں کلکتہ میں سرکاری پیمانے پر ایک بڑی اور تاریخی نمایش کا اہتمام ہوا اس موقع پر ایک جریدہ کے اجرا کا پروگرام بھی بنا۔ اس کی ذمہ داری شہباز کو دی گئی۔ شہباز نے ''جریدِ نمایش'' جاری کیا۔ ان کی حسن ادارت نے اس چھوٹے سے رسالے کو کافی مقبولیت دلائی۔ افسوس کچھ ہی دنوں کے بعد اس کی اشاعت بھی بند ہو گئی۔ لوگ کافی عرصے تک اس کی خوبیوں کو یاد کرتے رہے۔

جنوری 1885ء میں اپنی شدید علالت کی وجہ سے شہباز اپنے وطن پٹنہ لوٹ آئے۔ اور طب کی انگریزی کتابوں کے ترجمے کا کام شروع کیا۔ حسن اتفاق قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ 1885ء میں ہی نواب سید محمد آزاد کے خسر نواب بہادر عبداللطیف خاں ریاست بھوپال کے وزیر اعظم مقرر ہوئے وہ شہباز کی استعداد اور کارکردگی کے پہلے سے گرویدہ تھے ان کو اپنا معاون خصوصی یعنی پرائیوٹ سکریٹری مقرر کیا اور اپنے ہمراہ بھوپال لے گیے وہاں انھوں نے اپنے فرائض منصبی کے نقوش چھوڑے۔ جولائی 1886ء میں وزیر اعظم کے عہدے سے جب نواب صاحب نے استعفیٰ دیا تو وہ ان کے ہمراہ لوٹ گئے اور مستقل طور پر پٹنہ میں رہنے لگے اور رکے ہوئے تعلیمی سلسلے کا پھر سے آغاز کیا۔ تعلیمی، علمی اور ادبی سرگرمیوں کے ساتھ مسائل معاش سے بھی جوجھتے رہے۔ صبر و تحمل کا بند ٹوٹا تو پھر ملازمت کی تلاش میں 1896ء کے اوائل میں حیدر آباد نکل پڑے اور افسر جنگ کے یہاں ملازمت اختیار کر لی مگر ان کا جی وہاں نہ لگا جلد ہی مستعفی ہو گیے۔ پھر نظام حیدر آباد کی ریاست میں محکمہ داخلہ کے سکریٹری معروف ادیب مولوی محمد عزیز مرزا سے رجوع کیا۔ ان کی کوششوں سے محکمہ داخلہ کی سکریٹریٹ میں مترجم کی ملازمت مل گئی۔

لیکن طبیعت یہاں بھی نہیں لگی کچھ عرصے یہاں کام کرنے کے بعد جولائی 1897ء میں شہباز انٹرمیڈیٹ کالج اورنگ آباد دکن میں علم طبیعات کے پروفیسر مقرر ہوئے۔ یہ ملازمت ان کی طبیعت کے مطابق تھی۔ یہاں انھوں نے تصنیف وتالیف کا قابل قدر کارنامہ انجام دیا۔ علمی دنیا میں عزت ومرتبت کے ساتھ شہرت ومقبولیت بھی خوب حاصل ہوئی ملک کے تمام اہم رسائل و جرائد میں ان کا کلام شائع ہوتا رہا۔ سکون و اطمینان نصیب ہوا۔ خزاں زدہ زندگی میں بھی بہار آئی۔ دوسری شادی کی اور از سر نو گھر بسایا۔ اورنگ باد میں گھر بھی بنایا جس کا نام ''عزلت منزل'' رکھا۔ یہاں وہ 1905ء تک رہے۔ لیکن قدرت کو ان کی مزید دربدری منظور تھی۔ 1905ء میں ہی بیگم بھوپال کی پیش کش کو انھوں نے نہ جانے کیا سوچ کر قبول کر لیا۔ اور ریاست بھوپال کے سررشتہ تعلیم کے ڈائرکٹر کا عہدہ قبول کر لیا کم وبیش ڈیڑھ برسوں تک وہ اس عہدے کی ذمہ داریاں ادا کرتے رہے۔ ریاست بھوپال میں یہ ان کی دوسری ملازمت تھی۔ بیگم صاحبہ ملازمت کی شرطوں کو نباہنے میں ناکام رہیں اور طے شدہ تنخواہ نہ دے سکیں جس کی وجہ سے شہباز بددل ہو گئے اور شکستہ خاطر رہنے لگے۔ قدرت کا ایسا کرنا کہ اسی دوران ان کی دوسری اہلیہ اشرف النساء بیگم داغ مفارقت دے گئیں۔ اس شدید صدمے کی وجہ سے وہ بہت زیادہ مضطرب اور پریشان ہو گیے۔ ان کی دنیا ویران ہو گئی آزمائش اور حادثات نے ان کی شخصیت کو چور چور کر دیا وہ شدید بیمار ہو گیے۔ قویٰ جواب دے گیے دن بدن نقاہت بڑھتی گئی کام سے جی اچاٹ ہو گیا انہی حالات میں انھوں نے ناظم تعلیمات کے عہدے سے استعفیٰ دے دیا اور بے سروسامانی کی حالت میں اپنی سسرال دہلی آ کر مقیم ہو گیے اور پھر ملازمت کے لائق نہ رہے۔

شادی

شہباز نے کل دو شادیاں کیں۔ پہلی شادی اسکولی تعلیم کے دوران شمس النساء خاتون بنت منشی داؤد علی، ساکن باڑھ ضلع پٹنہ سے 1878ء میں تقریباً بیس سال کی عمر میں ہوئی۔ رفاقت کی زندگی کی یہ میعاد مختصر رہی۔ تقریباً سولہ برس بعد ہی شمس النسا خاتون داغ مفارقت دے گئیں اور 1891ء میں اپنے مالک حقیقی سے جا ملیں۔ ان کے انتقال کے بعد کم وبیش دس سال تک عبدالغفور شہباز نے مجرد زندگی گزاری۔

دوسری شادی

عبدالغفور نے دوسری شادی اورنگ آباد کالج میں 1897ء میں پروفیسری کی نوکری ملنے کے چند سال بعد کی۔اس کی پیش رفت آپ کے رفیق خاص مولوی بشیرالدین احمد ولد ڈپٹی نذیر احمد دہلوی کی مساعی جمیلہ سے نواب سید محمد آزاد کی صاحبزادی اشرف النساء بیگم سے مارچ 1902ء میں ہوئی۔لیکن شہباز کی زندگی میں ازدواجی زندگی کی خوشیاں بہت زیادہ نہیں لکھی تھیں۔محض چار سال کی رفاقت کے بعد 1906ء میں اشرف النسا بیگم ہمیشہ کے لیے داغ مفارقت دے گئیں۔اور ایک خوشگوار ازدواجی زندگی کا خاتمہ ہوگیا۔

اولادیں

عبدالغفور شہباز کو اپنی پہلی بیوی شمس النساء خاتون سے کل نو اولادیں ہوئیں۔چھ لڑکے اور تین لڑکیاں۔لیکن افسوس کہ سبھی لڑکے نوعمری میں ہی انتقال کر گیے۔لڑکیوں میں سب سے چھوٹی صالحہ بیگم بھی سن بلوغ کو پہنچ کر فوت ہوگئیں۔دو بیٹیاں صغریٰ بیگم اور بشریٰ بیگم ہی باقی بچیں۔جن کی اولادیں ہندوستان اور پاکستان میں بکھری ہوئی ہیں۔

محل ثانی سے صرف ایک اولاد تولد ہوئی۔جس کا نام سید محمد عاشر رکھا گیا۔اشرف النساء کی عمر نے بھی وفا نہ کی۔دوسال کے عاشر کو چھوڑ کر وہ اس دارفانی سے کوچ کر گئیں۔عاشر کی پرورش و پرواخت ننھیال دہلی میں ہوئی۔انھوں نے مجرد زندگی گزاری۔اور 12؍فروری 1984ء کو راہی ملک عدم ہوئے اور احاطہ حضرت نظام اولیا میں مدفون ہوئے۔

وفات

دوران ملازمت بھوپال میں ان کے ساتھ دو حادثات ہوئے۔ایک تو جن شرائط پر بیگم بھوپال نے ناظم تعلیمات کے عہدے کی پیش کش کی تھی ایک سال کا عرصہ گزرنے کے باوجود وہ ان شرائط کو نبھا نہ سکیں اور جو تنخواہ طے ہوئی تھی وہ نہ دے سکیں جس سے وہ مالی پریشانی میں مبتلا ہوگیے اور بددل رہنے لگے۔اسی اثنا میں ان پر دوسری بڑی مصیبت یہ ٹوٹ پڑی کہ شریک حیات اشرف النساء بیگم داغ مفارقت

دے گئیں اور اپنے پیچھے دوسال کا بیٹا عاشر چھوڑ گئیں۔اس حادثے نے ان کے دل و دماغ کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔شہباز پر غم والم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔اور وہ ذہنی طور پر پریشان ہوگیے۔انھیں چاروں طرف اندھیرا ہی اندھیرا نظر آنے لگا۔بیگم بھوپال کی عہد شکنی الگ کچوکے لگانے لگی۔بچے کی پرورش و پرداخت کا مسئلہ بھی کھڑا ہوا جب کسی طرف سے روشنی کی کوئی کرن نظر نہیں آئی تو نامساعد حالات سے مجبور اور دل برداشتہ ہوکر انتہائی مایوسی کے عالم میں ناظم تعلیمات کے باوقار عہدے سے استعفیٰ دے دیا۔ان حادثات نے ان کی صحت پر بہت برا اثر ڈالا اور وہ بیمار ہوگیے۔مستعفی ہوکر بھوپال سے سیدھے دلی اپنی سسرال چلے گیے اور انتہائی کسمپرسی کی حالت میں رہنے لگے بقول ڈاکٹر اختر:''الحسن یہاں وہ ایک بے جان لاش کی طرح پڑے ہوئے تھے۔ان کے محسن خاص نواب سید محمد آزاد کو جب ان کے حالات کا علم ہوا تو ان کو اپنے پاس کلکتے بلوالیا۔نواب صاحب ان دنوں کلکتہ میں انسپکٹر جنرل آف رجسٹریشن بنگال و بہار کے عہدے پر فائز تھے۔شہباز کے علاج ومعالجے اور تیمارداری وخدمت گذاری میں انھوں نے کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا انجام کار صحت بہتر ہونے لگی لیکن اواخر 1907ء میں ان پر فالج کا زبردست حملہ ہوا۔علاج ومعالجہ کی کوششوں کے باوجود وہ جاں بر نہ ہوسکے۔اور 30؍نومبر 1908ء کو اس دارفانی سے کوچ کر گیے اور اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔کلکتہ میں ہی نواب صاحب کے خاندانی قبرستان میں سپرد خاک ہوئے۔

ع   موت اس کی ہے کرے جس کا زمانہ افسوس

ان کی رحلت سے ادبی دنیا میں ایک ہلچل ہوئی۔مشاہیر اہل قلم نے ان کی علمی وادبی خدمات کو نہ صرف یہ کہ خوب سراہا بلکہ کھلے دل سے اس کا اعتراف بھی کیا۔

تخلیقی سفر

ادبی زندگی کا آغاز

شہباز نے اپنی علمی وادبی زندگی کی تعمیر وتشکیل اور ذہنی نشو ونما میں اپنے جن مشاہیر علم وادب سے فیض حاصل کیااوران کے اثرات قبول کیے ان میں ممتاز ادیب وقلم کار نواب سید محمد آزادانسپکٹر جنرل آف رجسٹریشن بنگال وبہاراوران کے بھائی سید محمود آزاداورمولانا سید جمال الدین افغانی کا نام قابل ذکر ہے۔

شروع سے ہی شہباز کی ذہانت وفطانت کے چرچے عام تھے۔انھوں نے کم عمری میں ہی عربی و فارسی زبان وادب کی اتنی صلاحیت پیدا کرلی تھی کہ مضمون نگاری اورشاعری دونوں سے رغبت پیدا ہوگئی تھی اوراسکولی تعلیم کے آغاز سے قبل رسائل وجرائد میں چھپنے بھی لگے تھے۔ہم عصر ادیبوں سے خط وکتابت کا سلسلہ بھی شروع ہوگیا تھا۔دورانِ تعلیم معاشی دربدری کے زمانے میں یہی ارتباط کام بھی آیا۔انٹرنس کے زمانے میں مالی دشواریوں سے دوچار ہونے کے بعد جب تلاش ملازمت کے لیے مظفر پور آئے تو یہی شناسائی کام آئی۔اس وقت مولوی سید محمد آزاد مظفر پور میں رجسٹرار تھے۔ان کے بھائی سید محمود آزاد بھی ان کے ساتھ رہتے تھے دونوں بھائی اپنے وقت کے معروف شاعر وادیب تھے۔ان کو جب شہباز کی معاشی پریشانی کا علم ہوا تو انھوں نے بخوشی ان کو اپنے یہاں رکھ لیااوران کی سرپرستی فرمائی۔شہباز نے ان کی ذاتی لائبریری سے اپنے ذوق کی آبیاری کی اوران کی صحبت سے فارسی زبان وادب کا وہ بالیدہ شعور حاصل کیا جس نے شخصیت میں نکھار اور تحریر میں وزن پیدا کیا۔حتیٰ کہ سید محمود آزاد جو خود بنگال کے ایک مشہور فارسی شاعر تھے جب اپنا دیوان مرتب کیا تو اس کا دیباچہ آزاد نے شہباز سے لکھوایا تھا۔فارسی کی یہ پہلی علمی نثر تھی جو شہباز نے تحریر کی تھی۔دیباچے کے بعد شہباز نے فارسی میں ''دریا پر'' ایک نظم لکھی۔

مولانا جمال الدین افغانی تقریر کے فن میں اپنی مثال آپ تھے ان کی تقاریر اور مضامین بہت مشہور تھیں۔شہباز نے مولانا کی تقاریر اور مضامین کو یکجا کرکے ''مقالات جمالیہ'' کے نام سے شائع بھی کرایا۔اس طرح شہباز کی ادبی زندگی شروعات ہوئی۔

شہباز کے مضامین اوران کی شعری تخلیقات ہندوستان کے مختلف رسائل وجرائد میں شائع ہوتے تھے۔ان میں مخزن لاہور،اودھ پنچ لکھنؤ،الپنچ پٹنہ قابلِ ذکر ہیں۔ان کی انشاء پردازی اور تخیل فکر کی شہرت دور دور تک پہنچنے لگی اس طرح شہباز نے علمی وادبی دنیا میں اپنی مستحکم شناخت قائم کرلی اور علمی سفر تسلسل کے ساتھ طے کرنے لگے۔اپنے وقت کے بلند پایہ ادیب اور شاعر قرار پائے۔شہرت اور نیک نامی کی دولت بھی نصیب ہوئی۔

نظم نگاری

عبدالغفور شہباز نے یوں تو شاعری کی ہر صنف پر طبع آزمائی کی۔لیکن وہ بنیادی طور پر نظم کے شاعر تھے۔قدرت نے انھیں شاعری کی فطری صلاحیت ودیعت کی تھی۔کمسنی سے ہی شعر موضوع کرنے لگے تھے۔نہایت ذہین واقع ہوئے تھے لہٰذا گردوپیش کے حالات پر بھی گہری نظر رکھتے تھے۔جس وقت عقل وشعور کی منزل میں داخل ہوئے ملک انقلابی تبدیلیوں سے دوچار ہورہا تھا۔سماجی،سیاسی،معاشی،علمی وادبی ہر سطح پر تبدیلی قدم بہ قدم اپنے پاؤں بڑھا رہی تھی۔سیاسی بے چینی تھی۔غیر ملکی جبر واستبداد سے آزاد ہونے کی خواہش شدت پکڑنے لگی تھی۔مسلمانوں کو شکست وحزیمت کے احساس سے باہر نکالنے کے لیے ملکی سطح پر مختلف مکتبۂ فکر کے تحت اصلاحی تحریکوں کا آغاز ہو چکا تھا۔اور یہ تحریکیں ہر جگہ اپنی قوت وسائل کے مطابق متحرک بھی ہو چکی تھیں۔نئے علوم وفنون کی روشنی میں اپنے حالات ومسائل کا حقیقت پسندانہ تجزیہ کیا جانے لگا۔جس کے نتیجے میں بہت سی پرانی رسموں وروایتوں اور فرسودہ عقائد کا طلسم دھیرے دھیرے ختم ہونے لگا۔ اندھ بھگتی کی تاریکی چھٹنے لگی،نئی روشنی سماج کے ہر طبقے تک پہنچنے لگی اور سماج میں بیدار پیدا ہونے لگی۔برہموسماج،آریہ سماج،رام کرشن مشن،تھوسوفیکل سوسائٹی،وہابی تحریک،علی گڑھ تحریک اور کئی نظریاتی لہریں اسی دور میں منظر عام پر آئیں۔1857ء کی ناکام جنگ آزادی کے بعد ٹوٹے ہوئے حوصلے اور عزائم کو مہمیز عطا کرنا آسان کام نہیں تھا۔پہلا کام تو ہندوستانی عوام میں اعتماد کی بحالی کا تھا

جس سے حوصلوں کو قوت ملے، عزائم جاگ پڑیں اور نئے حالات سے سمجھوتہ و مفاہمت کر کے نئی صورت حال میں جینے کا سلیقہ پیدا ہو۔ مسلمانوں میں اعتماد کی بحالی، مایوسیوں سے نکال کر حوصلوں کو اڑان دینے کا کام علی گڑھ تحریک نے کیا۔ پروفیسر احتشام حسین رقم طراز ہیں:۔

> ''علی گڑھ کالج ایک علامت تھا۔اس نئی تحریک میں داخل ہونے کی جو اپنا در کھولے ہوئے اندر آنے کی دعوت دے رہی تھی۔اس دروازے کے اندر مختلف قسم کے کارواں داخل ہو رہے تھے۔ کچھ یوں ہی آنکھیں بند کیے ہوئے، کچھ گردوپیش کا اندازہ لگاتے ہوئے۔ سرسید جس کارواں کو لیے بڑھ رہے تھے اس میں مختلف قسم کے لوگ تھے لیکن بہم طور پر سبھوں کے دل میں یہ خواہش تھی کہ وقت نے راہ میں جو رکاوٹیں ڈال رکھی ہیں انھیں عبور کر کے اپنی مادی اور روحانی زندگی کو بہتر بنایا جائے۔ یہی جستجو اور آگے بڑھنے کی یہی کوشش ہے جسے علی گڑھ تحریک کہا جاتا ہے۔''4

احتشام حسین کی باتیں اپنی جگہ درست ہیں۔اس تحریک نے اپنی فعالیت سے زندگی کے تمام شعبوں کو متاثر کیا۔ادب بھی ان میں ایک تھا۔ یہاں بھی فرسودہ خیالی کو متروک قرار دیا گیا۔ مقفی اور مسجع نثر اور تکلف و تصنع سے بھری شاعری سے انحراف کیا جانے لگا۔ تعمیر پسندی، روشن خیالی اور جدت پسندی کا میلان فروغ پانے لگا، حالی وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے اردو شاعری کی منجمد روایتوں کو توڑنے کا عزم کیا اور اس پر کاری ضرب لگائی۔ حالی کی اس اصلاحی تحریک نے رفتہ رفتہ زور پکڑا اور ایک وسیع حلقہ اس سے متاثر ہوا۔ شہباز بھی ان میں ایک تھے۔ آزاد، حالی اور شہباز کے علاوہ درگا سہائے سرور اکبر الہ آبادی، چکبست، نظم طباطبائی، اسماعیل میرٹھی نے عصری تقاضوں کے تحت قدیم اصناف سخن سے فرسودہ موضوعات سے گریز کیا۔ اور وہ راستہ اختیار کیا جو نئے نظام حیات اور زندگی کے جدید تقاضوں سے ہم آہنگ تھی۔ اور اس کے موضوعات میں تنوع تھا۔ اسی راستے پر چل کر اردو شاعری نئے میدان سخن میں داخل ہوئی۔ جہاں اس کے تخلیقی جوہر کو فنی کمالات دکھلانے کے مواقع ملے۔ اور اردو شاعری زندگی سے بھر پور تجربات، خیالات اور احساسات و جذبات کی موثر ترجمانی کرنے لگی۔ افادیت سے بھر پور زندگی کی سچی و حقیقی ترجمانی اور موضوعاتی وسعت اور اسلوب کی تازگی و ندرت نے اظہار و بیان کے نئے دروازے

کھول دیے۔ مغربی علوم و فنون کی روشنی میں اردو میں نئی صنف جدید نظم کی بنیاد پڑی اور یہ اپنی افادیت کی وجہ سے فروغ پانے لگی۔

شہباز کی دوررس نگاہ، تیز قوت مشاہدہ نے وقت کی نبض پر ہاتھ رکھا اور ملی تشخص کی بحالی اور اخلاقی زوال کی پستی سے اس قوم کو نکالنے کے لیے اصلاحی جذبے سے مملو ہو کر تحریک سرسید سے نہ صرف متاثر ہوئے بلکہ بے حد فعال کردار ادا کیا۔ حالی نے طرز سرسید کی پیروی میں مغربی افکار و خیالات کی حمایت میں اصلاح قوم کا نسخہ ڈھونڈا اور اکبر الہ آبادی نے مغربیت کی سخت مخالفت میں ہی قوم کی بہتری جانی۔ شبلی نے مغربی و مشرقی افکار کے آمیزہ میں قومی ترقی کی راہ تلاش کی۔ شہباز سرسید اور حالی کے بھی مقلد ہیں اور اکبر الہ آبادی سے بھی متاثر ہیں۔ لیکن وہ قوم کی اصلاح و فلاح کا راستہ سرسید اور حالی کی طرز فکر میں مناسب سمجھتے ہیں۔ شہباز نہ مغرب مخالف ہیں نہ مشرق بیزار۔ وہ جدید علوم اور جدید تہذیب سے استفادہ کرتے ہوئے قوم کی سربلندی چاہتے تھے۔ وہ مشینی اور سائنسی علوم کو اپنانے اور اس کے فیوض و برکات سے مستفیض ہونے کے حق میں تھے شہباز نے مشرقی و مغربی تہذیب کے باہمی تصادم کا گہرا مطالعہ کیا تھا اور اس سے متاثر ہو کر پیروی مغرب کے قائل ہوئے تھے۔ وہ ادب میں مقصدیت اور اصلاح کے قائل تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے پیروی حالی میں فرسودہ اصناف سخن سے گریز کیا۔ اور شانہ بشانہ اردو شاعری کو غزل کی فرسودہ اور ازکار رفتہ روایات سے باہر نکالنے کے لیے تحریک کا حصہ بنے اور حالی کی نیچرل اور فطری نظم نگاری کو فروغ دینے کے لیے ان کی حمایت میں آگے آئے۔ سرسید تحریک کے تحت اردو شاعری مسدس، مثنوی، قطعہ اور رباعی کی صنف میں عصری رجحان کو پیش کرنے لگی تھی۔ اور مغربی شاعری سے متاثر ہو کر اردو میں نئی صنف ''جدید نظم'' فروغ پانے لگی تھی۔ حالی کے اثر سے یہ تصور عام ہو گیا تھا کہ قومی تعمیر کے لیے شعر و ادب ایک بہت اہم طاقتور ذریعہ ہے۔ لہٰذا شعرا بالعموم ان معاملات و مسائل کو نظموں میں پیش کرنے لگے جن کا تعلق کسی نہ کسی طرح قومی اور عوامی معاشرے سے رہا ہو۔ یہ موضوعات بالکل نئے اور تازہ بہ تازہ تھے اس لیے ان میں کشش بھی تھی۔

شہباز تحریک سے جڑے ہوئے تو تھے ہی۔ ساتھ ساتھ زمانہ شناس بھی تھے اور حساس طبیعت ہونے، دوررس نگاہ رکھنے، اور جدید ذہن کے مالک ہونے کی وجہ سے یہ جدید نظم نگاری کی طرف مائل ہو گیے۔ اور عصری رجحانات کی تبلیغ و ترسیل کو موضوع بنالیا۔ غزل کی خیال پرستی کے شعار سے اجتناب کیا اور اپنی نظموں

کے موضوعات کے لیے انھوں نے بے کراں کائنات کے مناظر وعناصر پر ارتکاز کیا۔ وہ صنف غزل کے دشمن تو نہ تھے مگر غزل کی تنگ دامانی سے انھیں شکوہ ضرور تھا اور اس پر صبر وقناعت بھی نہ کر سکتے تھے کیونکہ ان کے اندر نئے آفاق کی جستجو کا حوصلہ تھا بدلتی ہوئی زندگی کے تغیر پذیر مسائل سے مقابلے کی صلاحیت تھی۔ ان کی قوت تخیل بلندی پروازی اور اپنے اظہار کے نئے وسیلوں کی دریافت اور استعمال کے لیے مضطرب تھی۔ وہ اردو شاعری میں بدلتے ہوئے حالات اور نئے ماحول کے تحت نئے نئے تجربات کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی نظموں میں خوبصورت تنوع اور عنوانات میں جدت وندرت ہے اور زندگی ہی کی طرح ان میں وسعت بھی ہے۔

شہباز کے تین شعری مجموعے خیالات شہباز (1916ء) تفریح القلوب (1942ء) اور رباعیات شہباز (1982ء) اب تک شائع ہو چکے ہیں۔ ان مجموعوں میں بالترتیب 47، 33 اور 41 نظمیں شامل ہیں جن کی مجموعی تعداد 121 بنتی ہے۔ یہ تمام نظمیں اپنے موضوع، عنوان اور فکر وخیال میں ندرت وجدت سے بھرپور ہیں اور مشاہدات زمانہ کی رنگ برنگی تصویریں پیش کرتی ہیں، ان میں واقعیت واصلیت کوٹ کوٹ کر بھری ہیں اور بھرپور تازگی کا احساس کراتی ہیں۔ یہ تمام نظمیں عصری حسیت کی عکاس ہیں۔ شہباز کی باریک بیں قوت مشاہدہ، دوررس نگاہ، حساس طبیعت اور تخلیقی قدرت پسندی نے ان نئے مضامین وموضوعات کے ذریعہ اردو شاعری کو ایک خوشگوار نئی سمت سے آشنا کیا ہے۔ اواخر انیسویں صدی میں شہباز کو نظیر اکبرآبادی سے اس قدر والہانہ رغبت پیدا ہوگئی کہ وہ ان کی شاعری کے عاشق ہو گئے اور اس عشق کا اثر ان کے کلام پر ایسا پڑا کہ شعری رجحان کا ایک دھارا ان کے تخلیقی سرچشمے میں حلول کر گیا اور شہباز نظیر بن گئے، ان کی نظمیں نظیر ہی کی طرح مشاہدات وتجربات کے خوبصورت بیانات کا درجہ رکھتی ہیں۔ نظیر ہی کی طرح وہ عوامی زندگی سے تعلقات اور روابط پیدا کرنے کے حامی ہیں۔ جزئیات نگاری میں شہباز نے بھی کمال فن دکھلایا ہے۔ شہباز کا یہ بھی امتیاز ہے کہ غیر اہم اور معمولی موضوعات کا نہ صرف انتخاب واستعمال کیا بلکہ اس میں ندرت بھی پیدا کی۔ روزمرہ کے مشاہدات عام کو بھی انھوں نے اس خوبصورتی سے اپنی نظموں میں پیش کیا ہے کہ ان کے نئے معنی ومطالب سامنے آ گئے۔

مسواک، سڑک، جیبی گھڑی، پانی، سنگترے، مناظرۂ آبروز جنت کے جھروکے، زر وغیرہ نظمیں طرز شہباز کی خوبصورت مثالیں ہیں۔ ان نظموں میں جدت ندرت اور تازگی صاف طور پر عیاں ہیں۔ ان کے

موضوعات ہی دلچسپ اور انوکھے نہیں ہیں حسن کلام بھی پرکشش ہے۔ موضوع سے شاعر نے خلاقانہ تخلیقی برتاؤ کیا ہے۔ مصرعوں میں بے پناہ روانی، سادگی اور برجستگی ہے۔ جوہر شاعری یعنی لفظیات کا بالیدہ شعور موجود ہے بلکہ نئے نئے لفظوں کا بے تکلف استعمال ہوا ہے۔ اس کے باوجود غنائیت کہیں بھی مجروح نہیں ہوتی ہے۔ ''نظم زر'' کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:۔

اس دل ربا کے دل میں ہے تیرے غم سے چھید — غمزوں سے چھیدتی ہے جو سب کے دل وجگر
ہر اک کل میں تیرے ہی پرزے ہیں کام کے — کاریگری تجھی سے ہے اس درجہ کارگر
''میں واری'' کہہ کے جاتی ہیں گاتی جو ٹھمریاں — تھاپیں جو زور زور سے پڑتی ہیں طبلے پر
''دھن تاک دھن'' نہیں ہے تری تاک تری دھن — سرگم پہ دھیان غم میں ترے لپک وقف سر
ڈرڈر ڈرا ڈر نہیں بجتا ستار میں — مطرب کی ہے زباں سے زر زر زرار زر
مسجد میں تو امام ہے منبر پہ تو خطیب — ہے صدر انجمن میں تو، جلسوں میں لکچرر
جاہل ہے تیرے درس سے بونصر سے سوا — عالم تیرے بغیر ہے بوجہل سے بدتر
ہر چند تو خدا تو نہیں پر خدا گواہ — بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

دیکھا معمولی عنوان کو لفظوں کی جادوگری سے کس قدر چمکا کر نکھار دیا۔ اس میں نظیر کا اثر بھی پورے طور پر نمایاں ہے اوصاف زر کے سلسلے میں یہ خیالات نہایت حقیقت پسندانہ ہیں۔ صوتیاتی آہنگ پیدا کرنے کے لیے لفظوں کا انتخاب اور ان کا انداز استعمال بالکل نیا ہے اور شہباز کی تخلیقی صلاحیت اور فطری اپج کی نشاندہی کرتا ہے۔ اس کی وجہ سے مصرعوں کی روانی میں ایک زور پیدا ہو گیا ہے۔ اس نظم میں سلاست، سادگی اور بے تکلفی بہت نمایاں ہے۔ شاعر کی قادرالکلامی اپنے عروج پر ہے۔

شہباز کی ایک بڑی خوبی یہ بھی ہے کہ انھوں نے پامال موضوعات کو اپنی شاعری میں اس طرح پیش کیا کہ یہ ادنیٰ سے اعلیٰ درجے پر پہنچ گئیں اور ان کا شاعرانہ کمال یہ ہے کہ ایسے موضوعات میں اپنے تخیل کی نادرہ کاری سے جان ڈال دیتے ہیں اور اپنی حس ظرافت سے کام لیتے ہوئے اصلاحی نکتے بھی پیش کر دیتے ہیں۔ سر شیخ عبدالقادر لکھتے ہیں:۔

''ان کی نظموں کے بعض عنوانات عجیب ہیں۔ مثلاً ولایتی گڑیا، جلیبی، مٹھائی کی مناجات، شکر یہ پنیر، مکڑی اور مکھی جن سے معلوم ہوتا ہے کہ نظیر کی طرح پیش پا افتاد

چیزوں کو اٹھا کر ان میں دلچسپیاں ڈھونڈھنا اوران کے بیان میں مزاح کی چاشنی
ملا کر ان کو معمولی سطح سے بلند کر کے دکھانا۔شہباز کے کلام کی خصوصیات تھی۔''5

مثلاً نظم ''مسواک'' ہی کو دیکھیے اس خشک اور غیر موضوع میں بھی اپنی قادرالکلامی اور فن کاری سے دلکشی بھر دی ہے۔مسواک ہی کی زبان سے اس کے کچھ اوصاف سینے ایک چھوٹی سی ٹہنی میں کیا کیا خوبیاں ہیں:۔

پھول پتا کچھ نہیں کیوں کر کہوں میں ڈھاک ہوں　　پوچھتے ہو اصل تو کچھ آپ ہوں کچھ خاک ہوں
ہے بجا پڑھتے ہیں گر کلمہ مرا خدام دیں　　خدمتوں سے اپنی ممدوح شہ لولاک ہوں
میں نہ مس بابا۔ نہ ہوں شہباز جاتی واک کو　　پھر یہ کس ترکیب سے افواہ میں مسواک ہوں

اسی قبیل کی دوسری نظم ''سڑک'' ہے۔اس سپاٹ موضوع پر خامہ فرسائی کر کے انھوں نے اپنی مہارت فن اور قادرالکلامی کا ثبوت دیا ہے پوری نظم میں فکر وخیال کی کاریگری جادو جگاتی ہے بعض اشعار میں دوراز کار تشبیہات ہیں اور صرف قافیہ پیمائی ہے آخری شعر دیکھیے:

کہاں جاتا ہے شہباز اس طرف ہے گمرہی پھیلی
ادھر آ رہنمائی کو تری سیدھی سڑک میں ہوں

شہباز کو محاکاتی شاعری پر بھی قدرت حاصل تھی۔اس کے بھی نادر نمونے پیش کیے ہیں۔نظم ''چلتی ہوئی بائیسکل'' اور ''ریل'' وغیرہ میں ان کی محاکاتی شاعری کا حسن اپنے کمال وشباب پر نظر آتا ہے۔اس میں اتنی روانی وسلاست ہے کہ اس کے مطالعہ کے دوران ایسا محسوس ہوتا ہے کہ قاری کی نگاہوں کے سامنے سائیکل رواں دواں ہے یعنی الفاظ کی سڑک پر کوئی بائیسکل تیزی سے دوڑی جا رہی ہے۔چند اشعار سے اس کا لطف اٹھائیں:۔

سرکتی ہوئی سرسراتی ہوئی　　لچکتی ہوئی تھرتھراتی ہوئی
کہیں کوندتی اور لپکتی ہوئی　　کہیں ناچتی اور تھرکتی ہوئی
کہیں سیدھ میں جاکے مڑتی ہوئی　　کہیں اوج پر چڑھ کے اڑتی ہوئی
جھپٹتی، ڈپٹتی، رپٹتی ہوئی　　گھسٹتی، پھسلتی، اچٹتی ہوئی
سلجھ کر کہیں پھر الجھتی ہوئی　　الجھ کر کہیں پھر سلجھتی ہوئی

سلاست وروانی اس نظم کی سب سے بڑی خصوصیت ہے جو شروع سے اخیر تک موجود ہے۔اور ایک

متحرک تصویر سی بن جاتی ہے۔متحرک مصوری کی ایسی خوبصورت مثالیں کم ہیں۔موجودہ دور میں سائیکل کی اب وہ اہمیت نہیں جو دور شہباز میں تھی لیکن یہ نظم آج بھی اتنی ہی اہم ہے جتنی اس وقت تھی۔شہباز نے کس طرح دو پہیوں کی اس سواری کے لطف سفر کے مسرت افزا تحیر کو شاعرانہ زبان بخش دی اور تخیلی باریک بینی سے اس کے سراپے کی جزئیات نگاری کی کہ اس کے تمام متعلقات تفصیل سے سامنے آگیے اور ایک بے جان چیز قاری کے سامنے متحرک شکل میں سامنے آگئی۔پیکر تراشی کا ہنر بھی شہباز کو خوب آتا ہے۔وہ اس فن میں بھی اپنی مثال آپ ہیں۔شہباز نے اپنی چند نظموں میں اس طرح سراپا نگاری کی ہے کہ شخصی محور پر گردش کرنے والی دنیا کا صحیح نقشہ کھینچ گیا ہے۔مثال کے طور پر نظم ولایتی گڑیا، مناظرۂ الماس وزگال پر ہی نظر ڈالیں تو صورت حال واضح ہو جائے گی۔حقیقت یہ ہے کہ ان تمام نظموں میں شاعر کو الفاظ پر بڑی قدرت حاصل ہے اور بیان میں بلا کی روانی ہے۔الفاظ ومعانی کا دریا امنڈتا ہوا معلوم پڑتا ہے۔زور بیان اور سلاست زبان بھی اپنے عروج پر ہے۔

شہباز کی فطری اور منظری نظموں کا حسن بھی پر کشش اور قابل توجہ ہے۔اردو میں اس طرح کی شاعری کی بڑی کمی تھی اس کمی کو شہباز نے بڑی حد تک پورا کیا۔فطرت کے متعدد مناظر پر شہباز نے بہترین نظمیں لکھی ہیں۔مثلاً آموں کا بچپن، پانی، سنگترے، بہار کی آمد آمد، آب رواں، طوفان کی آمد، صدائے بہار، بیر، بچوں کو دودھ پلاتی کتیا، خمسۂ چقندری، شہد کی مکھی وغیرہ جن کی روانی اور سلاست پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔یہ نظمیں شہباز کے زور بیان اور جدت تخیل کے دلکش نمونے ہیں ''آموں کا بچپن'' کے چند اشعار دیکھیے۔آم کے پھلنے پھولنے کا زمانہ قریب آ چکا ہے۔

کوئل نے آ کے نیچے اک تان یوں لگائی　　باغوں کو ہو مبارک! دیں کیریاں دکھائی
یہ کیریاں نہیں ہیں، بچے ہیں دودھ پیتے　　جو دودھ کے سہارے اس عہد میں ہیں جیتے
جڑنے زمیں کی چھاتی سے بھر رکھے ہیں شیشے　　پہنچاتی منھ تلک ہیں نلیاں ربڑ کی ریشے
آنکھیں ہیں بند ان کی اور دودھ پی رہی ہیں　　آغوش تربیت میں کیا خوب جی رہی ہیں
سرسبز شاخ ان کا گہوارہ ہے بناتی　　بن کر نسیم دایہ ہے دم بہ دم ہلاتی
پیارے سروں میں کوئل دیتی ہے لوری آ کر　　سو جا تو بالے بھولے سو جا تو پیارے دم بھر
کیا جانیئے یہ بچے تھے جاگتے کہ سوتے　　شبنم کو منھ اندھیرے دیکھا منھ ان کا دھوتے

پھیلائی اس میں مشرق سے مہر نے حرارت	پتوں کے خیموں نے کی آدھوپ سے حفاظت
سائے میں ہے جھلاتی گاہے اچھالتی ہے	ناز ونعم سے فطرت یوں ان کو پالتی ہے

شہباز کی ان فطری اور منظری نظموں کو پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے مناظر فطرت کو بہت قریب سے دیکھا ہے، غور کیا ہے، محسوس کیا ہے، اور اس سے متاثر بھی ہوئے ہیں۔ ان نظموں میں حسن و دلکشی بھر پور ہے۔ آہنگ شعری کی بھی کمی نہیں۔ مصورانہ حسن بھی ہے۔ لیکن مفکرانہ گہرائی اور فلسفیانہ بلندی نہیں ہے۔

اس کے برعکس دوسرے مجموعے ''تفریح القلوب'' میں اسی قبیل کی نظموں میں مصورانہ کاریگری کی دلکش مثالیں موجود ہیں مثلاً ''بیر''، ''بھنگا نامہ'' وغیرہ میں کچھ نظمیں ایسی ہیں جن میں ان کے مشاہدات وتجربات کی گہرائی اور خیالات کا تنوع اور شگفتگی سامنے آتی ہے۔ مثلاً وفادار کتا، ڈکشنری، سیاہ مرچ اور لال مرچ، قلم کی تعریف وغیرہ۔ کچھ نظمیں ایسی ہیں جن میں عصری حسیت بھر پور ہے۔ ملی صورت حال کے مختلف پہلوؤں کی عکاسی کہیں سنجیدہ انداز میں اور کہیں ظریفانہ انداز میں کی ہے جن میں نصیحت آمیز اور سبق آموز عنصر نمایاں ہے۔ مشرقیت پر مغربی یلغار سے جو اخلاقی زوال پیدا ہو رہا تھا اس کی جیتی جاگتی تصویر پیش کی ہے۔ ''بیسویں صدی کی اپٹوڈیٹ شریف زادی'' میں شاعر نے جن احساسات کی ترجمانی کی ہے وہ اس دور کی عصری صداقت تھی۔ نظر کو خیرہ کرنے والی مغربی تہذیب کی خارجی چمک دمک سے سماج کی لڑکیاں اس طرح مرعوب تھیں کہ مشرقی حیاداری کا سبق بھول گئیں تھیں اس صورت حال کو شاعر نے اس طرح پیش کیا ہے:۔

آئے گر آج ابا تو شام کو کہیں گے	میموں کی طرح اب تو کوٹھی میں ہم رہیں گے
اجلا ہے گر دوپٹہ رہنے دومت رنگا دو	جلدی سے ایک بگھی لیکن ہمیں منگا دو
مسّی ہوا سے کب تک مسموم ہم رہیں گے	کب تک ہوا خوری سے محروم ہم رہیں گے
سل کی سنائیں کب تک سینوں کے پار ہوں گی	عصمت پر اپنی جانیں کب تک نثار ہوں گی
چونٹوں کے ڈر سے مٹکوں میں قید وقند کب تک	چیلوں کے ڈر سے چڑیا پنجروں میں بند کب تک
یورپ میں تو نہیں ہیں عصمت کے اتنے جھگڑے	جوہر ہے یہ چمکتا کھاتا ہے جتنے رگڑے

اس نظم میں میموں کی نقالی کرنے والی ہندوستانی لڑکیوں کی فیشن پسندی کا مذاق اڑایا گیا ہے

اور مشرقی اخلاقی قدروں کی پرزور اور پرخلوص مدافعت کی گئی ہے۔

یوں تو شہباز کی ہر نظم میں کوئی نہ کوئی اخلاقی پہلو ہوتا ہے اور وہ جاندار اور بے جان چیزوں کو علامت بنا کر انسان کی کردار سازی کرنا چاہتے ہیں اور اپنی قوم کو ذلت سے نکالنا چاہتے ہیں۔ اب نظم ''مکڑی اور مکھی'' کو دیکھیے یہ ایک حکایتی نظم ہے جس میں خوشامد پسندی کی مذمت کی گئی ہے۔ اس کی ساخت مکالماتی ہے۔ دوسری نظم ''مکھی اور چیونٹی'' ہے۔ یہ بھی سبق آموز نظم ہے۔ ''چڑیا چڑے کی کہانی'' کا انداز بیان علامتی ہے۔ مقصد یہ دکھلانا ہے کہ انسان اپنے نفس سے مسلسل جنگ آزما ہے ٹھیک اسی طرح جس طرح چڑیا اور چڑے آئینے میں اپنا عکس دیکھ کر لڑتے جھگڑتے ہیں انسان اپنے نفس کے مطالبوں سے لڑتا جھگڑتا رہتا ہے۔ چڑیا کی اس لڑائی کا ایک منظر دیکھیے:۔

دم کو جھکا کے جوش میں سر کو اٹھا کے یہ	لڑتی جھپٹ جھپٹ کے ہے غصے میں آ کے یہ
ایسا نہیں کہ صرف چونچیں ہی مارتی	گر گر سنبھل سنبھل کے ہے لاتیں بھی مارتی
آنکھیں عقب سے آگ کی صورت میں جل رہی	دل میں عداوتوں کی ہیں موجیں اچھل رہی
ہر وار روکتا ہے سپر وار آئینہ	دونوں ہی ہیں لگائے ہوئے چار آئینہ
دھمکی کا دھمکی گھر کی کا گھر کی جواب ہے	دونوں طرف سے ترکی بہ ترکی جواب ہے
کھڑکی عداوتوں کی ہے چوپٹ کھلی ہوئی	دونوں طرف ہے جنگ برابر تلی ہوئی

اس نظم میں واقعیت اور شعریت کا حسین امتزاج ہے۔ تصویر کشی بھی اعلیٰ درجے کی ہے۔ حرکت وحرارت سے بھر پور ہے۔ ہر مصرعہ متحرک ہے۔ اصلاحی اور اخلاقی قدروں کی نمایندگی کرتی ہوئی اور نظمیں ہیں جیسے ہندوستانی گڑیا، سہیلی کا بیاہ وغیرہ نظموں میں اصلاحی نقطۂ نظر کی پیش کش حالی کی اصلاحی تحریک کے زیر اثر ہوا ہے۔ جس کا تفصیلی ذکر قبل کر چکا ہوں۔ شہباز نہ صرف نظریہ حالی کے مقلد ہیں بلکہ مبلغ بھی ہیں۔ حالی کی طرح شہباز کے یہاں بھی قومی درد چھلکتا ہے۔ دونوں کا مطمع نظر ایک ہے۔ طرز احساس میں مماثلت ہے۔ حالی کی چھاپ نظر آتی ہے۔

شہباز کی نظموں پر مغربی اثرات بھی نمایاں ہیں۔ انگریزی میں جانوروں کے مکالمات پر مبنی شاعری کا رواج بکثرت موجود ہے۔ جن میں طنز وظرافت کے ساتھ اخلاقی پہلو بھی نمایاں ہوا کرتے ہیں۔ شہباز نے انگریزی اثرات کے زیر اثر اردو میں پہلی بار اس نوع تخلیقی کاوشیں کیں اور وہ بھی اس

خوبصورتی سے کہ اصل کا گماں ہوتا ہے۔ مثلاً نظم ''مکڑی اور مکھی''، ''مکھی اور چیونٹی'' اور ''مرغا اور مرغی'' میں مغربی فن کاری کو مشرقی فن کاری میں اس طرح ڈھالا ہے کہ تقلید تخلیقی سرچشمے میں ڈھل کر مشرقی افکار کی نمایندگی کرتی نظر آتی ہے۔

سرسید کی علی گڑھ تحریک اور ان کے مشن تعلیم کے ذریعے قوم کی اصلاح کو وہ کتنی اہمیت دیتے تھے اور کس حد تک مفید اور اہم سمجھتے تھے اس کا اندازہ سوز و گداز اور رنج والم سے بھرے ہوئے مرثیہ سرسید احمد خاں سے لگایا جا سکتا ہے۔ جس میں انھوں نے تحریکی عزائم کو برقرار رکھنے اور حوصلوں کو حرارت و توانائی بخشنے کی تلقین کی ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:۔

اگر چہ غم ہے جاں فرسا مگر اب غم سے کیا ہوگا
کرو اب صبر یارو نوحہ و ماتم سے کیا ہوگا
جو قومی کام کرنا ہے تو یہ کم ہمتی چھوڑو
زیادہ بھی یہاں کم ہے بھلا اس کم سے کیا ہوگا
تم ہی ہاتھ پاؤں اس کے تم ہی کام کرتے تھے
غلط سمجھے ہو گر سمجھے ہو تم اب ہم سے کیا ہوگا
دکھا سکتے ہو اب بھی اپنی قدرت اہل عالم کو
مگر دل پر نور رکھو قدرت و عالم سے کیا ہوگا
یہی ہے یادگار اس کی کرو کالج کو مستحکم
بنائے یادگار غیر مستحکم سے کیا ہوگا؟
عمارت علم کی ہے عرش تک اس کو اٹھا چھوڑو
مسلمانوں اسے تعلیم کا کعبہ بنا چھوڑو

''تعلیم کا کعبہ بنا چھوڑو'' یہ جذبہ اس بات کا غماز ہے کہ وہ اس ادارے سے کتنی محبت اور لگاؤ رکھتے تھے۔ اور سرسید کے ادھورے منصوبے کو مکمل کرنے کی کتنی زبردست خواہش ان کے اندر موجزن تھی کہ وہ اس ادارے کو مسلمانوں کا کعبۂ علم وحکمت دیکھنا چاہتے تھے۔ وہ اکبر کی طرح علی گڑھ کے مدرسے کو ''مرکز امراض''، نہیں سمجھتے تھے بلکہ قومی شفاخانہ تصور کرتے تھے اور اسے علم ثریا پر دیکھنا چاہتے تھے۔

شہباز کی دو طویل اور قابل ذکر نظم جس کا تذکرہ ضروری معلوم پڑتا ہے۔ ''آئینہ تہذیب'' (خیالات شہباز) اور ڈکشنری (تفریح القلوب) ہے ''آئینہ تہذیب'' طویل ترین نظم ہے اور بالا مجموعے کی تقریباً تمام نظموں پر بھاری ہے۔ یہ نظم مخمس کی صورت میں ہے اس میں کل ساٹھ بند ہیں۔

اس نظم میں شہباز نے زندگی اور فن سے متعلق اپنے نظریات واضح کیے ہیں۔ یہ بے حد پر تاثیر نظم ہے۔ زبان اور اسلوب بیان کے لحاظ سے اس میں نظیر کا رنگ غالب ہے۔ شہباز نظیر سے بہت متاثر تھے۔ ان سے بڑا نظیر یہ اردو ادب میں نہیں پیدا ہوا۔ اس نظم سے ہمیں اخلاقی درس بھی ملتا ہے۔ ایک بند ملاحظہ ہو:۔

گر کاوش تعلیم ہو جوہر یہ نکلے کان سے
تہذیب کے آئین سے ترشے تو چمکے شان سے
گر آدمی حیوان ہو، انسان ہو حیوان سے
انسان ہی پھر کیوں رہے ہو وہ ملک انسان سے
تہذیب کا یہ دور ہے، اس مئے سے تو سرشار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ، مستی میں بھی ہشیار رہ

اسی طرح ''تفریح القلوب'' کی آخری اور طویل ترین نظم ڈکشنری بھی بڑی جامع نظم ہے۔ یہ معلومات سے بھرپور ہے مسدس کے فارم میں ہے اس میں بھی نظیر اکبرآبادی کا رنگ نمایاں ہے۔ شہباز نے نظیر ہی طرح ایک بے حد خشک اور بے جان موضوع کو اپنے تخیل کی بلند پروازی سے ایک شاہکار نظم میں ڈھال دیا۔ پوری نظم میں ترنم اور موسیقیت کی گونج سنائی پڑتی ہے۔ صوتی آہنگ سے بھی لبریز ہے۔ یہ نظم شہباز کے کمال فنکاری کا عمدہ نمونہ ہے۔ چند اشعار دیکھیے:۔

مذہب کا علم بھی علموں میں ہے سب سے بہتر اور جاری
اس علم کے سو سو چشمے ہیں ہر چشمے سے میرے جاری
جوگی، بھوگی، دھیانی، عابد، زاہد، حافظ، قاری
بیکنٹھ، نرک، دوزخ، جنت، فاجر فاسق، مرتد، ناری
زقوم یہاں، غسّاق وہاں، انگور یہاں واں لحم طری

معنوں سے بھری لفظوں سے گھری علموں کی ہوس ان میں ڈکشنری

اردو میں اس قبیل کی نظم خال خال ہی ملتی ہے۔ اب جہاں تک نظم نگاری کا تعلق ہے تو اس صداقت سے تو انکار ممکن نہیں کہ شہباز نے فن نظم نگاری کو وقار و اعتبار عطا کیا ہے موضوع اور مواد دونوں کے لحاظ سے اس کے دامن کو وسیع کیا ہے۔ مضامین کے تنوع سے اس میں رنگا رنگی پیدا کی ہے۔ خشک اور غیر اہم موضوعات کو اپنی ندرت فکر سے قابل توجہ اور اہم بنا دیا ہے۔ شہباز کے ہم عصروں میں یہ خوبیاں کسی اور کے نصیب کا حصہ نہیں بن سکیں۔ بیان کی یہ وسعت، موضوعات کا تنوع، مضامین کی یہ رنگا رنگی خیالات کا یہ بہاؤ، زبان کی صفائی اور سلاست جیسی خصوصیات صرف شہباز کا طرۂ امتیاز ٹھہری ہے۔

البتہ شہباز کی نظمیں پیٹرن اور ساخت کے اعتبار سے کمزور ہیں۔ شعری تجربے میں لطافت و رفعت کی کمی محسوس ہوتی ہے۔ اول تا آخر اشعار باہم مربوط نظر نہیں آتے۔ تکرار بیان کی بے لطفی بھی ہے۔ نظموں کی بے جا طوالت سے قاری کی طبیعت میں ایک بوجھل پن پیدا ہوتا ہے۔ البتہ شہباز کی نظموں میں زبان و بیان کی کشادگی ہے۔ عربی فارسی کے علاوہ ہندی اور انگریزی الفاظ کا استعمال وہ جس اعتماد سے کرتے ہیں وہ ایک اہم بات ہے۔ جدید نظم کی تشکیل کے سلسلہ میں ان کی تخلیقی خدمات وقیع اور توجہ طلب ہیں۔ وہ نظم جدید کے اہم بانیوں میں سے ایک ہیں خاص کر بہار میں نظم جدید کی ارتقائی تاریخ ان کے بغیر نامکمل رہے گی۔ ہمیشہ ان کا شمار صف اول میں ہوگا۔ اسلوب اور زبان و بیان کی انفرادیت کی وجہ سے بھی شہباز نظم گو شعرا میں ہمیشہ یاد کیے جائیں گے۔ بہار اپنے اس سپوت پر جتنا بھی ناز کرے کم ہے۔

غزل گوئی

غزل اردو شاعری کی وہ مقبول صنف ہے جس پر کم و بیش تمام شاعروں نے طبع آزمائی کی ہے۔ کسی کا غالب رجحان ہی یہ صنف سخن رہی ہے اور جس کا رجحان اس طرف نہیں ہوا اس نے بھی اسے چوم چام کر چھوڑ دیا۔ شہباز بھی غزل کو اس کی بوسیدہ خیالی، پامال مضامین اور خیال کی تنگ دامانی کی وجہ سے پسند نہیں کرتے تھے۔ دوسرے شہباز کا زمانہ روشن خیالی کا زمانہ تھا، مغربی افکار کی وجہ سے تمام شعبہ ہائے زندگی متاثر ہو رہے تھے اور ہر جگہ تیزی سے تبدیلی پیدا ہو رہی تھی ادب بھلا ان سے الگ کیوں کر رہ سکتا تھا۔ شہباز قدرتی طور پر ذہین تھے اور روشن خیال بھی تھے ان تبدیلیوں پر ان کی نظر گہری تھی۔ وہ زمانے کے

ساتھ چلنے کو پسند کرتے تھے۔ غزل ان کے عہد تک غالب کے معیار سے گر کر مبتذل و رکیک خیالات و جذبات کی ترجمان بن گئی تھی جو اس عہد کے تقاضے کے یکسر خلاف تھی۔ شہباز کے عہد میں غزل بالعموم تقویم پارینہ سمجھی جانے لگی۔ اردو غزل گوئی جس میں معشوق کے لب و رخسار اور کنگھی چوٹی کی بھرمار تھی۔ شہباز کو اس سے نفرت تھی۔ گردن صراحی دار کمر گل بکاؤلی میں انھیں کوئی کشش نہیں محسوس ہوئی بلکہ ایک طرح محرومیت کا احساس ہوا۔ شہباز ادب کو نئے امکانات سے بہرہ ور کرنا چاہتے تھے۔ غزل کی ساخت اس کے لیے موضوع نہیں تھی لہٰذا شہباز نے غزل سے نظم کی طرف مراجعت کی۔ لیکن گاہے بگاہے اس صنف پر طبع آزمائی کرتے رہے اس لیے کہ ہمیشہ سے ہی اور اصناف کے شعرا بھی کسی نہ کسی حد تک غزل ضرور کہتے رہے ہیں۔ اس میں ہر صنف کے شاعروں نے کشش محسوس کی ہے۔ وہ ہر صنف کے شاعروں کے دامن دل کو کھینچتی رہی ہے۔ شہباز بھی اس طرف ملتفت ہوئے۔ اس طرح جستہ جستہ ساٹھ ستر طول و مختصر غزلیں بھی کہیں۔ بہت سی رسائل و جرائد میں شائع بھی ہوئیں بقیہ اپنی بیاض میں محفوظ رکھیں۔ ان میں کچھ تو روایتی انداز کی غزلیں ہیں اور بقیہ پر تحریک سرسید و حالی کے اثرات نمایاں ہیں۔ مجموعہ باقیات شہباز میں حروف تہجی کے اعتبار سے باسٹھ طویل و مختصر غزلیں بھی ہیں اس کے باوجود کہ غزل ان کی محبوب صنف نہیں تھی۔ اس سے بے اعتنائی کا اظہار ان کی نظم ''تہذیب'' میں ملتا ہے۔ فرماتے ہیں:

ہے بوئے عیاشی سڑی غزلوں کے منھ سے آ رہی
کس منھ سے تو نے یہ غزل اب اس زمانے میں کہی
پھینک آ قصائد مدح کے باقی نہیں عہد شہی
رستہ ہدایت کا پکڑ وہ چھوڑ اگلی گمرہی

تہذیب کا یہ دور ہے، اس مئے سے تو سرشار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ، مستی میں بھی ہشیار رہ

قصائد بھی ان کی نظر میں مہمل تھے۔ غزل پسندیدہ صنف نہیں ہونے کے باوجود بھی روش زمانہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے شہباز نے اس صنف شاعری میں خاطر خواہ خامہ فرمائی کی۔ ڈاکٹر محمد اختر حسین کی اگر مانیں تو بقول ان کے:۔

''انھوں (شہباز) نے اردو غزل گوئی کے روایتی انداز میں بہت سی غزلیں کہیں۔

حروف تہجی کے اعتبار سے ان کا ایک مکمل دیوان مرتب کیا جا سکتا ہے۔ان کی منتشر غزلیں تقریباً چا سوابیات پر مشتمل ہیں۔''6

یہ تعداد پسندیدہ صنف نہ ہونے کے باوجود ہے۔غزل کے بڑے سے بڑے صاحب دیوان شاعر کی غزلوں کی معتد بہ تعداد بھی اس سے زیادہ نہیں ہوتی ہے۔ جب کہ نظم کا شاعر ہونے کے باوجود ان کی نظموں کی تعداد ڈیڑھ سو بھی نہیں۔شہباز کی زیادہ تر غزلیں روایتی انداز کی ہیں۔جس میں معشوق کی عشوہ طرازیاں اور عشق کی بے چینی و تڑپ کا ذکر ہے۔چند اشعار ملاحظہ ہوں:۔

ہے عشق تو پھر اثر بھی ہوگا   جلتا ہے ادھر ادھر بھی ہوگا
مانا یہ کہ دل ہے پتھر اس کا   پتھر میں نہاں شرر بھی ہوگا

خط سبز ہے رہنما دل لگی کا   شرف دل کو خضر کی بندگی کا
ذقن کے مزے کوئی پوچھے لبوں سے   یہ ہے سیب لیکن عجب تحفگی کا

کر چکا کرنا تھا جتنا، شور دل   اب تو ہے اک ناتواں کمزور دل
کس قدر دلکش ہے نیرنگ حنا   مٹھیوں میں رکھتی ہے ہر پور دل

کیا کام دل جلوں کو دینار سے درم سے   داغ جنوں وہ ہوں گے،نقش درم نہ ہوں گے
راہیں ہیں زندگی کی کیا اینچ پیچ رکھتی   زلفوں میں یار کی بھی اتنے تو خم نہ ہوں گے

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ شہباز غزل کو نفرت کی نگاہ سے نہیں دیکھتے تھے۔بلکہ مروجہ غزل گوئی کو اس کی عریاں نگاری،فرسودہ مضامین اور اخلاقی زوال کی وجہ سے ناپسند کرتے تھے۔وہ چونکہ نئی تہذیب کے دلدادہ تھے اس لیے وہ غزلوں میں بھی اصلاحی اور اخلاقی قدریں پیدا کرنا چاہتے تھے وہ بھی غزل کا روایتی سانچہ برقرار رکھتے ہوئے اور شہباز نے پوری فنی چابکدستی کے ساتھ غزل کو نئی اقدار سے آشنا کرانے کی کوشش کی اور اس میں وہ بہت حد تک کامیاب بھی رہے۔یہ اشعار دیکھیے:۔

جام بھر کر نور کا جس دم بڑھی تنویر صبح   تھی صبوحی سے بھی زیادہ بزم میں تاثیر صبح

جب کیا خورشید نے آفاق میں فوکس درست   کھینچ گئی اوراق گل پر ہر جگہ تصویر صبح
ہلکی ہلکی چل رہی ہے سطح دریا پر نسیم   چپکے چپکے بن رہی سیم سے زنجیر صبح

سنیں کیا خاک، ناصح تو سناتا ہے عجب باتیں
کہ باتیں ہیں سبھی، لیکن نصیحت کہہ نہیں سکتے

مریں کیوں جھوٹ دولت پر قناعت ہے عجب دولت
کہ جس کے آگے دولت کو بھی دولت کہہ نہیں سکتے

ان اشعار میں طرز ادا میں ندرت اور تازگی بھی ہے اور صنف غزل کا احترام بھی اور یہ اس دور کی عام شاعرانہ روش سے ذرا مختلف بھی ہے۔

غزل میں جو رموز و علائم استعمال ہوتے ہیں۔ان میں جہاں ایک طرف غزل میں رعنائی و زیبائی پیدا ہوتی ہے۔وہاں دوسری طرف انسانی فطرت اور انسانی زندگی سے متعلق نا گفتی کو گفتی بنانے میں بھی مدد ملی ہے۔مثلاً انسانی فطرت کی کمزوریوں کو ڈھکے چھپے انداز میں بیان کر دیا گیا ہے۔جیسے یہ شعر دیکھیے:۔

عنایت کی نظر سے دل میں وہ خنجر چبھوتے ہیں
اذیت لاکھ ہو ہم تو اذیت کہہ نہیں سکتے

یہ غزل کو نئے امکانات اور نئے اعتبار بخشنے کی تمنا یا کوشش ہے۔اور شہباز اپنے اس مشن میں اس لیے کامیاب نظر آتے ہیں کہ وہ غزل کے فنی لوازمات سے کما حقہ واقف ہیں اور انھوں نے فنی التزام کو پورے طور پر برتا ہے۔عام روش پر بھی چلے ہیں اور عقل و حکمت بھی بکھیرے ہیں۔دروں بینی اور دل گرفتگی کے عمدہ نمونے بھی ملتے ہیں۔تخیل کی بلند پروازی،تشبیہات و استعارات کی فنی چابکدستی اور طرز ادا میں ندرت و تازگی بھی ہے۔بقول وہاب اشرفی:۔

''غزل کی سرشت میں دل گرفتگی اور دورن بینی ہے یہ ان ہی شاعروں کے لیے اپنے دروازے کھولتی ہے جو حزن و یاس سے اپنے دلوں کو ملتہب رکھتے ہیں۔ جہاں کہیں شہباز نے غزل کے اس تقاضے کو ملحوظ رکھا ہے۔وہ خود اپنی شاعرانہ روش سے الگ ہو کر غزل سماج میں داخل ہو گیے ہیں اس سے ان کی قوت شعری اور ذہنی لچک کا اندازہ ہوتا ہے۔''(دیباچہ باقیات شہباز)

اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کی شاعرانہ فکر بہت بالیدہ ہے اور ذہنی افق بہت وسیع وکشادہ ہے۔ ہر طرح کے مضمون کو خوبصورتی سے فن کے پیرایہ میں ڈھال دیتے ہیں۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:۔

سنیں کیا خاک ناصح تو سناتا ہے عجب باتیں
کہ باتیں ہیں سبھی لیکن نصیحت کہہ نہیں سکتے
طریقہ شیخ صاحب کا سمجھ میں کچھ نہیں آتا
حقیقت کو وہ کیا جانیں پر شریعت کہہ نہیں سکتے

—

خدا نے منھ میں زبان دی ہے تو شکر یہ ہے کہ منھ سے بولو
کہ کچھ دنوں میں نہ منھ رہے گا نہ منھ میں چلتی زبان رہے گی

—

چاہ میں اس مہِ نخشب کے شب و روز بھی غرق
قاز جس کا مہ کنعاں سے شبانی مانگے

—

گھر اس سے عشق کا بنتا ہے دل سختی سے کیوں گھبرائے
شیریں یہ محل اٹھواتی ہے فریاد یہ پتھر ڈھوتا ہے

شہباز کی غزل میں اپنے وقت کا درد، حالات کی کربنا کی اور اس کو بدلنے کی معصومانہ تمناؤں کا اظہار کے ساتھ ساتھ لفظوں کے تخلیقی برتاؤں کا حسن اس طرح جلوہ گر ہے کہ ان کی غزلیں پڑھنے والوں کے دل ودماغ کو معطر کر دیتی ہیں۔ وہ غزل کی قوت اور اس کی فنی لچک سے پوری طرح واقف ہیں اس لیے وہ ہر مضمون میں رنگ بھر دیتے ہیں۔

شہباز نے اگر پوری توجہ اس صنف پر مرکوز کی ہوتی تو وہ اپنے ہم عصروں میں اپنی خلاقانہ صلاحیتوں کی وجہ سے منفرد بھی ہوتے اور ممتاز بھی۔ لیکن شہباز نے اس صنف کو قابل اعتنا نہیں سمجھا اور اپنی بہترین صلاحیت اس صنف پر صرف نہیں کی۔ لہٰذا ہم انھیں عمدہ غزل گو تو نہیں کہہ سکتے لیکن بعض معاملے میں ان کے انفراد کی نشاندہی کر کے ہم اسے نئی راہوں کا متلاشی ضرور قرار دے سکتے ہیں اور شہباز کی غزلوں میں نئی جستجو کی پگڈنڈی کے واضح نشانات موجود ہیں۔

بحیثیت رباعی گو

عبدالغفور شہباز بنیادی طور پر نظم کے شاعر ہیں۔ لیکن انھوں نے شاعری کی دوسری اصناف غزل، قصیدہ، مرثیہ، نوحہ، تضمین، قطعات، رباعی اور جدید نظم کے لیے زیادہ تر مثنوی اور مسدس کے فارم کو برتا۔ رباعی کی صنف نے اختصار اور جامعیت کی وجہ سے شروع سے انھیں اپنی طرف متوجہ کیا۔ مختصر الفاظ اور محدود مصرعوں میں خیال کی مکمل ترسیل کی وجہ سے اس صنف کو خاص اہمیت دی گئی ہے۔ رباعی کے چار مصرعوں سے شاعر جس طرح اپنے خیال کی ترسیل کرتا ہے دوسری اصناف شاعری میں یہ ممکن نہیں۔ رباعی کا وزن مخصوص ہے، پہلے دوسرے اور چوتھے مصرعے میں قافیہ لانا ضروری ہے اس کے موضوعات مقرر نہیں۔ ہر نوع کے خیال کو اس میں سمویا گیا ہے۔ رباعیوں میں آپ بیتی بھی ملتی ہے۔ اور جگ بیتی کے موضوعات بھی۔ رباعی نگار زندگی کے معاملات ومسائل سے جو مشاہدات اور تجربات اخذ کرتا ہے ان کے تاثرات کو اس صنف سخن کی پابندیوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے خوش اسلوبی سے شعری پیکر میں منتقل کر دیتا ہے ۔نظم کی اس مختصر صنف میں شہباز نے اپنے مشاہدات وتجربات کی ایک وسیع اور شاداب دنیا آباد کی ہے۔ اور نہایت فنی سلیقے سے اپنے احساسات کی آئینہ داری کی ہے۔

شہباز کا پہلا مجموعہ کلام ہی رباعیات شہباز کے نام سے 1891ء میں شائع ہوا۔ اس میں کل 327 رباعیات ہیں۔ اس کا مقدمہ نواب سید محمود آزاد نے رقم فرمایا ہے۔ جو دس صفحات پر مشتمل ہے۔ سرورق پر ''رباعیات شہباز'' کے بعد یہ عبارت درج ہے ''مولوی سید عبدالغفور شہباز کی نئی تصنیف، جس میں مذہب قدرت، تعلیم تمدن، اخلاق وغیرہ پر مفید اور جدید طرز کی دلچسپ رباعیاں ہیں۔ مطبع اردو گائیڈ میں منشی ناظر علی کے اہتمام سے چھپ کر مصنف موصوف کے ذریعے شائع ہوئی۔'' اس مجموعے کی ضخامت 64 صفحات ہے جس میں دس صفحات مقدمات کے ہیں۔ مقدمہ 24/نومبر 1890ء کو لکھا گیا۔ مقدمہ نگار نے شہباز کی رباعیات کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے لکھا ہے۔

''رباعیوں کے اس مختصر دیوان کو غور اور انصاف سے پڑھنے کے بعد انجمن سخن میں کیا کوئی کافر نعمت ایسا ہوسکتا ہے جو مصنف کی فکر بلند، طبیعت خداداد طرز نو ایجاد، باکار مشق سخن اور کامل استعداد کا کلمہ نہ پڑھے؟ ہر قطع کے جواہر مضامین کا خانہ

نگیں میں خوش اسلوبی اور صفائی سے نبھانا اور جمانا۔ بندش کی دلربائی اور صفائی، لفظوں کی مناسبت، صنعت اور عمدہ نشست، زبان کی شستگی اور پاکیزگی مضامین کی بلندی اثر افشانی، منفعت سرشتی قافیوں کی دقت پسندی اور دل فریبی، استعارات دلچسپ اور تشبیہات موزوں کا لطف، چار مصرعوں کا ایک دوسرے سے نہایت آسانی اور خندہ پیشانی سے دست و بغل رہنا اور پھر آخر میں چوتھے مصرعے کا پر قوت طور سے چمکنا، ان سب صفتوں نے مل کر رباعیوں کو گلدستہ لطافت و بلاغت بنادیا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ سب سے زیادہ قادرالکلامی اور زور بیان کا مکمل ثبوت شہباز نے انہی رباعیوں میں دیا ہے۔ روانی بیان اور سلاست خیال ہر جگہ جاری و ساری ہے۔ لطافت ونزاکت بھی ان رباعیوں میں موجود ہے۔ لفظ وخیال کی مناسبت سے اخذ وانتخاب اور تراش وخراش میں شہباز نے اپنی قدرت بیان اور فنی سلیقہ مندی کا کامیابی سے مظاہرہ کیا ہے۔ ان رباعیوں کی معنوی اور موضوعاتی دنیا میں بھی بڑی وسعت ہے۔ یعنی اس کے دامن میں مذہب اخلاق، قدرت، تعلیم وتجارت، تمدن، تفنن اور ان سے متعلق رنگارنگ موضوعات کو شہباز نے جگہ دی ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں۔

اخلاق کے عنصر ہوں اگر اصل مزاج
جو قوم ہو، ہو کبھی نہ محتاجِ علاج
ہو اس کو ہمیشہ خرق عادت کا ظہور
حاصل ہو اسے عمر ابد کی معراج

—

تعلیم کی میزان میں ہیں تلتے جاتے
ہیں جوہر طبع روز کھلتے جاتے
ہے عقل کی بزم عالموں سے روشن
خود گر چہ ہیں مثلِ شمع کھلتے جاتے

—

تن عیش کا گھر ہے، اس کا اسباب ہے روح
مینا ہے یہ اور بادۂ ناب ہے روح
یا جنگ معنی ازل میں شہباز
یہ تن ہے رباب، اس کی مضراب ہے روح

—

پاتا نہیں موت پر کوئی شخص ظفر
ممکن ہی نہیں اس سے کسی طرح مفر
ہر چند اس سفر میں سختی ہے بہت
سہ لے کہ مصیبت ہے تقاضائے سفر

—

اس سے کہ کہیں کے نشاں ہوسکتے ہم
یا اس سے کہ کج کلاہ ہوسکتے ہم
بہتر تھا کہ خلق کی ہدایت کے لیے
ہر راہ میں شاہراہ ہوسکتے ہم

—

دولت نہیں جب تک یہ زبوں رہتے ہیں
محراب دعا، میں سرنگوں رہتے ہیں
آجاتی ہے جس وقت گھر ان کے دولت
پھر کیا ہے، یہ سرگرم جنوں رہتے ہیں

—

غیرت میں، سیاست میں، شجاعت میں ہو مرد
ہمت میں، مروت میں، عبادت میں ہو مرد
لالچ سے، شیخت سے، تعلیٰ سے ہو مرد

اتنا ہو کوئی تو قوم کا ہو ہمدرد

اخلاق، تعلیم، سیاست، موت۔ قدرت کے موضوعات پر ان رباعیوں میں شادابی، شگفتگی کے ساتھ ساتھ روانی بیان اور سلاست خیال ہر جگہ جاری وساری ہے۔ تفہیم میں کہیں بھی رکاوٹ محسوس نہیں ہوتی۔ شہباز کے انداز فکر کی انفرادیت کھل کر سامنے آتی ہے۔ ان رباعیوں میں پیش کردہ خیالات روایتی اور رسمی نوعیت کے نہیں ہیں۔ جابجا رعایت لفظی، استعارہ وکنایہ، اور تشبیہ وتلمیح کی صنعتیں بھی اختیار کی گئی ہیں۔ ان صنعتوں کو اتنے فنی طریقے سے برتا گیا ہے کہ اندازِ بیان کی بےتکلفی اور بے ساختگی کو متاثر نہیں کرتی۔

انھوں نے تقلید کی روش سے گریز کرتے ہوئے اپنی رباعیوں میں دنیاوی اور ارضی زندگی کے تجربوں سے پیدا ہونے والے تاثرات کی عکاسی کی ہے۔

ان رباعیوں کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ شہباز نے خیال واحساس کی ندرتوں کی جستجو میں جو فنی تجربے کیے ہیں وہ نئے امکانات کی بشارت دیتے ہیں کہیں بھی پے چیدہ خیالی اور ژولیدہ بیانی کی راہ اختیار نہیں کی ہے۔ شہباز نے جن جن عناصر سے اپنے فن کو سنوارا ہے وہ ان کی انفرادیت اور لہجے کی تاثیر کا اشاریہ بن گیے ہیں۔ شہباز میں ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ نہایت شائستہ ادبی زبان استعمال کرتے ہیں۔ جو دقیق یا بوجھل نہیں ہوتی جو ان کے لہجے کو باوقار بناتی ہیں اظہار اسلوب کی خوش آہنگی نئے امکانات کی جستجو کی راہ ہموار کرتے ہیں۔ رباعی کی صنف کے تقاضوں کو بھی برتنے کا انھوں نے خاص اہتمام کیا ہے۔ عام طور پر ان کی رباعیوں میں چوتھے مصرعے زوردار اور دلکش بھی ہیں اور اوپر کے تین مصرعوں کی خیال آرائی کی تکمیل بھی کرتے ہیں۔

رباعیوں کے اس مختصر مجموعے کو پڑھنے کے بعد قاری کو ان کی قادرالکلامی پر ایمان لائے بغیر کوئی چارہ نہیں معلوم پڑتا۔ اوراس فن میں ان کے کامل استعداد کا قائل ہونا پڑتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ شہباز نے اپنی قدرت بیان اورفنی سلیقہ مندی کا کامیابی سے مظاہرہ کیا ہے۔ ان کی فکر بلند، خیال تصنع سے پاک اوراسلوب سادہ ہے۔ لفظ وخیال میں بھرپور ہم آہنگی ہے۔

شہباز سنجیدہ مزاج ہونے کے باوجود حس مزاح بھی رکھتے تھے۔ تفنن کے زیرعنوان جو رباعیاں انھوں نے لکھی ہیں وہ مزاح وظرافت سے بھرپور ہیں۔ ان رباعیوں میں قہقہے، مسکراہٹیں اورزیرلب تبسم

سب کچھ موجود ہے۔ پندونصائح اور اخلاقی تعلیم بھی کوٹ کوٹ کر بھری ہے۔ اپنے عہد کے شہباز پہلے شاعر ہیں جنھوں نے اس صنف پر باضابطہ طبع آزمائی کی اورایک مجموعہ رباعیات اپنی یادگار چھوڑا۔

طنز وظرافت

شہباز کی شاعری کا ایک رخ طنزیہ ومزاحیہ بھی ہے۔ وہ اس فن میں بھی کمال رکھتے تھے۔ ان کی بہت سی نظموں، غزلوں اور رباعیوں میں طنزوظرافت کے تیرونشتر موجود ہیں۔ دراصل شہباز کا دور اصلاحی تحریکوں کا دور تھا۔ مسلمانوں کو شکست خوردگی کے احساس اور ذہنی ودماغی زوال، تعلیمی پسماندگی، تہذیبی، انحطاط، مالی اورمعاشرتی بدحالی سے باہر نکال کر ایک باوقار زندگی کی شروعات کرنے کے لیے اصلاحی تحریک زوروشور سے شروع ہوچکی تھی۔ سرسید، حالی، شبلی اور اکبرالہ آبادی سب اس تحریک کے روح رواں اور مضبوط ستون تھے۔ حالی اور اکبرالہ آبادی نے اپنی شاعری کو اس کا ذریعہ بنایا۔ دونوں کے اندر سوچ کا دائرہ الگ الگ ضرور تھا لیکن سبھی دھارے سرسید سے ملتے تھے۔

شہباز اس تحریک کے اصلاحی پہلو سے خاصے متاثر تھے۔ اوران مصلحان قوم کے علمبرداروں سے بھی خاصے متاثر تھے۔ اکبراور حالی کا ان پر اچھا خاصا اثر تھا۔ سبھوں کا اسلوب الگ، اصلاح کا طریقہ وانداز الگ لیکن مقصد ایک ہی تھا۔ وہاب اشرفی ان دونوں کے طنزومزاح میں تفریق اس طرح کرتے ہیں:۔

> ''ان کا (شہباز) کلام مزاحیہ سے زیادہ ظریفانہ ہے اوراس سلسلے میں ان کا رشتہ اکبرالہ آبادی سے ملنے سے زیادہ ٹوٹتا نظر آتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی ظرافت Ironical صورتیں نہیں پیدا کرتیں بلکہ ہنسنے ہنسانے کے عمل تک محدود ہوجاتی ہیں۔ اس لیے کہ وہ جو طنز کی تیز آنچ ہوتی ہے وہ شہباز کے کلام میں عمومی طور پرنہیں ہوتی۔ شاید یہ کام بطریق احسن صرف اکبرالہ آبادی ہی نے کیا ہے۔'' 7

اکبرالہ آبادی پیروئی مغرب کے شدید مخالف تھے۔ شہباز کا رویہ اعتدال پسندانہ تھا۔ اس لیے انھوں نے اپنی اصلاحی روح کو ظریفانہ قالب مہیا کیا اور اپنا لب ولہجہ نشاط آفریں رکھا۔ طنزومزاح کے پردے میں

انھوں نے پندونصائح اوراخلاقی تعلیم پیش کی۔ جو کچھ کہا ہنستے بولتے انداز میں زیرلب تبسم کہا اور کہیں قہقہے بھی بلند کردیئے لیکن قوم کے حال زار پر حالی کی طرح نہ خود روئے اور نہ دوسروں کو رلایا۔

طنز ایک ایسا پیرایۂ اظہار ہے جس میں کسی کو بھی جھنجھوڑنے، مردہ احساس کو جگانے اور بےدار کرنے کی سب سے زیادہ گنجائش ہے۔ یہ عمل جراحی بھی ہے جس کا مقصد اصلاح معاشرہ اور تنقید حیات ہے۔ مقصدیت اس کا جزولازم ہے۔ ذرا شہباز کے ان اشعار کو دیکھیں:۔

تعلیم کی خراد پر اس قلب ناداں کو چڑھا
علمی ہملٹن سے کوئی اخلاق کا زیور گڑھا
پڑھ کے جو تو فارغ ہوا، بچوں کو تو، اپنے پڑھا
شغل کتب بنی بھی رکھ اور قابلیت کو بڑھا

—

عقل فرہنگ اچھی سہی، حسن فرنگ اچھا نہیں
گر شاد و نادر یہ بھی ہو، عفت کا ڈھنگ اچھا نہیں
سب رنگ ہیں اک رنگ میں، میموں کا رنگ اچھا نہیں
ان کی کشادہ خرچ سے ہو حال تنگ اچھا نہیں

ان اشعار میں طنز کے نہایت بلیغ اشارے پائے جاتے ہیں۔انھوں نے اپنے عہد کے تلخ تر واقعات اور تجربات و مشاہدات کا بیان جاں سوزی کے ساتھ کیا ہے۔ یہ عنصر دل کو چبھنے کی صلاحیت کے ساتھ اپنے اندر کشش بھی رکھتا ہے۔ شہباز نے نہایت فن کارانہ انداز میں بےضرر سادگی، صفائی، سلاست، سادہ لوحی، سادہ دلی، ملائمت اور معصومیت کے ساتھ اپنی بات ظریفانہ قالب میں کہہ دی۔

شہباز جدید علوم کی روشنی میں زندگی کو سنوارنا اور تہذیب نو کی اصل روح کو اپنانا چاہتے تھے۔ اس لیے انھوں نے اپنی نظم سے قوم کی اصلاح کا فریضہ انجام دیا۔ اور سوئی ہوئی قوم کو بےدار کرنے کی کوشش کی۔ نظم آئینۂ تہذیب کا ایک بند ملاحظہ ہو:۔

قطعے، مسدس، مثنوی، خمسہ، رباعی یا غزل
جو چیز لکھ اس طرح لکھ، مقبول ہوں بین الملل

جاہل میں پیدا علم ہو، عالم میں ہو حسن عمل
اخلاق کی اصلاح ہو، ہر طرح ہو رفع علل
تہذیب کا یہ دور ہے، اس مئے سے تو سرشار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ، مستی میں بھی ہشیار رہ

شہباز کے دونوں مجموعہ کلام ''خیالات شہباز'' اور ''تفریح القلوب'' دونوں ہی میں طنز آمیز مزاحیہ نظمیں ہیں۔ جیسے تہذیب قیس، بھوک کا جلال، حضرت رمضان کا فوٹو، معذرت انگریزی، قانون قسمت، داڑھی، موچھیں، ایک پاپوش کی سرگذشت، صبح پیری، چرٹ، خان صاحب، آثار اقبال، ایک خوش مذاق رنڈوے کے حکیمانہ خیالات، خمسۂ چقندری، بیسویں صدی کی اپٹوڈیٹ شہزادی، ولایتی گڑیا اور بھوک کا جلال وغیرہ۔

ان تمام نظموں میں مزاح وظرافت کے پہلو بہ پہلو طنز کے نہایت بلیغ اشارے پائے جاتے ہیں۔ اپنے عہد کے تلخ تر واقعات اور تجربات و مشاہدات کا بیان دلسوزی کے ساتھ کیا ہے۔ جس کا مقصد اصلاح معاشرہ ہے۔ اپنی نظموں میں اکبر نے مغربی تہذیب وتمدن کا نہ صرف مذاق اڑایا ہے بلکہ اپنے انداز میں زبردست حملہ بھی کیا ہے۔ شہباز اس معاملے میں ذرا لچیلا رویہ رکھتے تھے اور نرم خو تھے۔ یہی وجہ ہے کہ شہباز کی مزاحیہ نظمیں ان کے شاعرانہ مزاج کے تفریح پسند پہلو کو سامنے لاتی ہیں۔

پروفیسر رشید احمد صدیقی طنزیات ومضحکات میں اس سلسلے میں اظہار خیال کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

''مولوی سید محمد عبدالغفور شہباز کی نظموں (طنزیات) میں جو بات سب سے پہلے ناظرین کی توجہ جذب کرتی ہے وہ ان کی انتہائی بےساختگی ہے۔ ان کے کلام میں شاعرانہ بلاغت، لطافت شعری یا ردیف وقافیہ کی برجستگی یا موزونی تلاش کرنا بے سود ہے۔ انھوں نے اپنی روانی فکر اور جودت تخیل کو اصطلاحی پابندیوں پر خواہ مخواہ نہیں قربان کیا ہے۔ بعض بعض مواقع پر یہ بھی محسوس ہوتا ہے کہ مذہب اور ملت کی طرف سے استغنا ہی نہیں روا رکھا ہے بلکہ ایک حد تک بے پروائی کو دخل دیا گیا ہے۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ وہ مذہب وملت کو اسی قابل سمجھتے تھے روا نہیں ہے۔ اصل

یہ ہے کہ بسااوقات خیالات کی برجستگی اور شگفتگی خود بخود ان حدود میں داخل ہو جاتی
ہے جو کسی دوسرے صنف کلام کے شاعر یا نثار کے لیے جائز رکھا گیا ہے کیونکہ
ناظرین اس حقیقت کو پہلے ہی سے محسوس کرتے ہوتے ہیں کہ یہ مخلص شاعرانہ تفنن
ہے جس کو اعتقادات سے کوئی نسبت نہیں ہے۔''8

طنز و مزاح میں نمک اور مرچ دونوں کے ذائقے ہوتے ہیں جن کی وجہ سے سننے اور پڑھنے والے کی سماعتوں کا پھیکا پن دور ہو جاتا ہے۔ یہ دل کی بھڑاس نکالنے کا بھی ایک آزمودہ نسخہ ہے۔ اس میں چونکہ خلوص و ہمدردی کی کارفرمائی ہوتی ہے اس لیے پڑھنے والا لطف اندوز ہوتا ہے اور شاعر کی باتوں سے دل گرفتہ ہونے کے بجائے خوش دلی سے شاعر کا ہم نوا بن جاتا ہے۔ شہباز قوم کے تئیں مخلص رویہ رکھتے ہیں اس لیے نہایت شائستہ انداز میں شگفتگی کے ساتھ اپنی بات کہہ جاتے ہیں۔ چونکہ نرم خو اور شائستہ مزاج ہیں اس لیے لوگ برا بھی نہیں مانتے۔

شہباز نے ایک موقع پر حضرت رمضان کا فوٹو اس طور پر کھینچا ہے۔

دو ہفتہ سے گھر میں مرے وارد رمضان ہیں
جھلّے یہ کچھ ایسے ہیں کہ سب ان سے بجاں ہیں
مسجد سے جو آئے تو پھرے گھر سے خدا کے
الفاظ ہیں جو شکر کے سب و ردِ زبان ہیں

شہباز کی مزاحیہ نظموں میں داڑھی اور مونچھیں بھی شامل ہیں۔ لباس کی مانند داڑھی اور مونچھیں بھی انسان کے مزاج و کردار کی آئینہ دار ہوتی ہیں۔ ان سے انسان کی تلون مزاجی آشکار ہوتی ہے۔ بڑھی ہوئی داڑھی کی بے ترتیبی پر شہباز نے یوں گل فشانی کی ہے:۔

بنائیں جھالر اسے عرش و کرسی رحمان
رکھیں فلک اسے سر پر سمجھ کے کاہکشاں
لگائے آنکھ سے دیکھے اسے جہاں رضواں
ادب سے چھوٹتے ہی چومیں حور و غلماں
نعیم خلد کی بنڈی ہے درشنی داڑھی

شہباز کہیں سنجیدہ، کہیں ظریفانہ انداز میں عصری ملی صورت حال کے مختلف پہلوؤں پر شگفتہ انداز میں تبصرہ کرتے ہیں۔ ان کا مقصد اصلاح ہے نہ کہ مذاق اڑانا۔ ان نظموں میں نصیحت تو ہوتی ہی ہے ان میں سبق آموز عنصر بھی نمایاں ہوتے ہیں۔ ''بیسویں صدی کی اپٹوڈیٹ شہزادی'' میں معاشرے میں مغربی تہذیب کے بڑھتے اثرات پر یوں اظہار خیال کیا ہے:۔

آئے گر آج ابا تو شام کو کہیں گے
میموں کی طرح اب تو کوٹھی میں ہم رہیں گے
اجلا ہے گر دوپٹہ رہنے دو مت رنگا دو
جلدی سے ایک بگھی لیکن ہمیں منگا دو
مسّی ہوا سے کب تک مسموم ہم رہیں گے
کب تک ہوا خوری سے محروم ہم رہیں گے
سینے میں پھیپھڑے اب سکڑے رہیں گے کب تک
چونٹوں کے ڈر سے مٹکوں میں قید و قند کب تک
چیلوں کے ڈر سے چڑیا پنجڑوں میں بند کب تک
سل کی سنائیں کب تک سپنوں کے پار ہوں گی
عصمت پر اپنی جانیں کب تک نثار ہوں گی
آنکھوں پہ اپنی عینک تہذیب کی چڑھاؤ
حد نظر کی وسعت، صنعت سے کچھ بڑھاؤ
یورپ میں تو نہیں ہیں عصمت کے اتنے جھگڑے
جوہر ہے یہ چمکتا کھاتا ہے جتنے رگڑے

اس نظم میں مشرق کی اخلاقی قدروں کی مدافعت کی پرخلوص کوشش نظر آتی ہے۔ میموں کی نقالی کرنے والی ہندوستانی لڑکیوں کی فیشن پسندی کا مذاق اڑایا گیا ہے جو مغربی تہذیب کی خارجی چمک دمک سے اتنی متاثر ہیں کہ اپنے مذہب سے دور ہوتی جا رہی ہیں۔

رباعیات شہباز میں تفنن کے زیر عنوان طنز و ظرافت سے لبریز کل 19 رباعیاں ہیں۔ انھوں نے کئی

ہجویں بھی لکھیں ہیں۔ان کے علاوہ ان کی غزلوں میں بھی نشتر کی تیزی کو محسوس کیا جا سکتا ہے۔ان کے مجموعہ کلام میں طنزیہ ومزاحیہ کلام بھرا ہوا ہے۔

شہباز کی ایک نظم ''آثار اقبال'' ہے اس میں وہ معاشرتی، تمدنی اور ادبی انقلابات پر سخت طنز کرتے ہیں۔فرماتے ہیں:۔

اہل اسلام نہیں اب راہ پہ آئے جاتے
ہیں کچھ آثار سے اقبال کے پائے جاتے
بار اٹھاتے ہیں وہ اکثر ولد الکلبوں کا
گر یتیموں پہ ہیں کچھ رحم دلائے جاتے

شہباز کی شاعری کے تجزیے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ شہباز میں یہ وصف ان کے فطری مزاج کا حصہ ہے۔اور ایک ماہر مزاح نگار کی حیثیت سے ادب میں ان کا مقام مسلم ہے وہ ایک کامیاب مزاح نگار کی حیثیت سے ہمیشہ یاد رکھے جائیں گے۔عبدالباری آسی کا یہ خیال درست ہے کہ شہباز ظرافت کے مرد میدان تھے۔''

ان کی ایک طنزیہ اور ظریفانہ نظم ''خان صاحب'' ہے۔یہ ایک علامتی نظم ہے۔''خان صاحب'' ایک ڈنڈے کا عرفی نام رکھا گیا ہے۔ایک ڈنڈا کو متشکل کر کے اس کی اوصاف بیان کیے گیے ہیں اس میں سیرت نگاری بہت خوب صورتی سے کی گئی ہے جس میں مزاح وظرافت کی نیرنگی ملتی ہے۔پروفیسر اختر اورنیوی رقم طراز ہیں:

''خان صاحب ایک بڑی اچھی سی نظم ہے۔اس میں ظرافت کی پھلجھڑی جھپٹتی ہوئی نظر آتی ہے اور ظرافت کے مختلف شیڈس ملتے ہیں۔''9

اس طرح شہباز نے طنز ومزاح کے مختلف اسالیب وانداز میں افراد ومعاشرے کی ناہمواریوں پر شگفتگی اور شائستگی کے ساتھ کسی کی دل آزاری کیے بغیر اس کے اصلاح کی طرف لوگوں کی توجہ مبذول کرائی ہے اور ایک ایسی فضا پیدا کرنے کی کوشش کی ہے کہ لوگ سمجھ لیں اور اپنی اصلاح آپ کر لیں۔ایک طنز ومزاح کے شاعر کو اپنی بات سمجھانے کے لیے جن حربوں کی ضرورت ہوتی ہے بطور ایک طنز ومزاح نگار شہباز ان تمام حربوں سے کما حقہ واقف تھے۔زبان وبیان کی بازی گری بھی مزاح کو برتنے کے لیے

ضروری ہے اور شہباز کی زبان پر قدرت نے اس بازی گر کی بازی گری میں کئی گنا اضافہ کر دیا۔دل میں گدگدی اور ہونٹوں پر ہنسی مچلنے لگتی ہے اور بعض دفعہ انسان قہقہہ تک لگانے پر مجبور ہو جاتا ہے۔بدلتی تہذیب کے رنگ ڈھنگ اور تمدن وثقافت کے نئے انداز اور نئے اطوار پر شہباز نے ہولے ہولے خوب لعنت وملامت کی ہے۔اور معاشرے کو ہنسی ہنسی میں اپنا پیغام پہنچا دیا ہے۔اردو طنز ومزاح کی روایت کا جب بھی ذکر ہوگا۔شہباز یاد کیے جاتے رہیں گے۔

ادب اطفال

بچوں کی کردار سازی میں ادب اطفال کا نہایت اہم رول ہے۔یوں تو بچوں کو نصابی کتابوں کے ذریعے بھی اچھا ادب میسر ہوتا ہے۔مگر غیر نصابی ادب اطفال کی اپنی الگ اہمیت ہے۔نصابی کتب بھی بچوں کی نفسیات کو مرکز میں رکھ کر یعنی ان کی اکتسابی اہلیت، دلچسپی، تجسس وغیرہ کو دھیان میں رکھ کر تیار کی جاتی ہے۔مگر نصاب کے مقاصد محدود ہوتے ہیں رسالہ یو۔ایس۔اے (1994) کا اس کے متعلق کہنا ہے کہ ''نصاب کے بوجھل اسباق سے جب جی اکتا جاتا ہے اور چڑھ ہونے لگتی ہے تو اس وقت بچوں کو کچھ دلچسپ تفریحی مواد پڑھنے کے لیے دینے کی ضرورت پڑتی ہے یہیں ادب اطفال کی ضرورت قائم ہوتی ہے ان ہی لمحوں کے لیے تعمیری اور اصلاحی ادب کی طرف توجہ مرکوز ہوئی۔

بچوں کے لیے لکھنا مشکل کام ہے۔قدم قدم پر احتیاط برتنی پڑتی ہے۔بچوں کی عمر کا لحاظ کرتے ہوئے موضوع کے ساتھ برتاؤ کرنا پڑتا ہے اور زبان بھی اسی سطح کی ہونی چاہیے۔اس لیے سہل اور شیریں زبان کو وسیلہ اظہار بنانا چاہیے جس سے دشواری نہ ہو۔بچوں کی نفسیات ان کی دلچسپی، ان کے جذبات، ان کی خواہشات اور اکتسابی صلاحیت کو دھیان میں رکھتے ہوئے جو ادب تخلیق کیا جاتا ہے وہی اچھا ادب اطفال ہوتا ہے۔

سب سے پہلے ڈپٹی نذیر احمد نے اس ضرورت کو محسوس کیا اور بچوں کی درسیات کے لیے کئی کتابیں بچوں کی نفسیات اور ذہن کو سامنے رکھتے ہوئے لکھیں۔اس کے بعد محمد حسین آزاد نے اس طرف توجہ فرمائی اور پہلی سے لے کر چوتھی تک قدیم وجدید دونوں سلسلے کی کتابیں مرتب کیں۔ان کے بعد اسماعیل میرٹھی نے اس طرف توجہ دی چونکہ یہ خود معلّمی کے پیشے سے وابستہ تھے دوران تدریس انھوں نے اس کمی کو شدت

سے محسوس کیا اور اردو کا پہلا قاعدہ تصنیف کیا۔ جس کی علامہ اقبال تک نے تحسین کی۔

مولانا اسماعیل میرٹھی کا کمال یہ ہے کہ انھوں نے بچوں کے ذہن میں اتر کر اور ان کی نفسیات کا مطالعہ کر کے نظم ونثر دونوں میں بچوں کے لیے ایسا ادب تخلیق کیا جو نہ صرف فرحت وانبساط کا ذریعہ بنے بلکہ ان کو اعلیٰ انسانی اقدار کی طرف گامزن بھی کرے۔ یہ کافی مشکل کام تھا۔ مگر مولانا نے اس مشکل ترین امر کو بخوبی انجام دیا۔

بہار میں عبدالغفور شہباز نے اسماعیل میرٹھی کے مشن کو آگے بڑھاتے ہوئے ادب اطفال کی طرف توجہ مرکوز کی۔ شہباز کی شاعرانہ انفرادیت کا امتیاز یہ ہے کہ انھوں نے بچوں کے لیے متعدد دلچسپ اور مفید نظمیں اس دور میں لکھیں جب اس پہلو کو کوئی خاص اہمیت نہیں دی جاتی تھی۔ شہباز نے بچوں کی ذہنی اور اخلاقی تربیت کے پیش نظر ان کی دلچسپی کے موضوعات پر آسان اور عام فہم زبان میں دلکش نظمیں لکھیں۔ ان کے مجموعہ ''خیالات شہباز'' اور ''تفریح القلوب'' میں متعدد نظمیں طلبہ وطالبات کی ذہنی تربیت اور ادبی ذوق کے فروغ کے لیے موجود ہیں جو ان کے فکر اور جذبے کو مہمیز کرتی ہیں۔ مثال کے طور پر ان کی نظم ''پڑھنا'' چند بند ملاحظہ فرمائیے۔

ہنر کی راہ میں بڑھو　　خرد کے بام چڑھو
پڑھو، پڑھو، پڑھو، پڑھو
لگاؤ علم وفن سے لو　　ہے جس میں مہرومہ کی ضو
کتابیں یاں ہیں نو بہ نو　　پڑھو، پڑھو، پڑھو، پڑھو
جلاؤ علم کا دیا　　کہ کرنے کی ہے بدّیا
پڑھو، پڑھو، پڑھو، پڑھو

کتنے دلچسپ انداز میں انھوں نے کتاب اور مطالعے کی اہمیت اجاگر کی ہے اور تعلیم کی خوبیوں کو نمایاں کر کے تعلیم سے رغبت پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔

تعلیم کے ساتھ ساتھ ذہنی اور جسمانی تندرستی کے لیے کھیل کتنا ضروری ہے ان کی نظر اس اہم پہلو پر بھی تھی۔ ماہرین تعلیم اور ماہرین نفسیات کا یہ ماننا ہے کہ بچوں کو پڑھنے کے ساتھ ساتھ کھیلنا بھی ضروری اور مفید ہے۔ یہ سائنٹفک نظریہ بہت میں عام ہوا۔ شہباز نے ایک صدی قبل اس نظریہ کے ابلاغ کی کوشش

نظم ''پڑھنا'' اور کھیل میں کی تھی۔ اپنی نظم کھیل میں انھوں نے بچوں کے تفریحی شوق کو جلا بخشی ہے۔ اور نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ اس سے رغبت پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔

ہاتھ اور پاؤں میں ہے گر بوتا
کھیل کا جلدی پہنو جوتا
ہے وہ جانت بال کا نقشا
کھیلو، کھیلو، کھیلو، کھیلو
دوڑو جتنا دوڑا جائے
لپکو جتنا لپکا جائے
کھیلو، کھیلو، کھیلو، کھیلو
رکھو نظر میں چالاکی کو
جیت لو جلدی تم بازی کو
کھیلو، کھیلو، کھیلو، کھیلو

شہباز نے اسماعیل میرٹھی کی طرح صرف لڑکوں کی ذہن ونفسیات کو مدنظر رکھتے ہوئے ان کی تربیت کا ہی خیال نہیں رکھا بلکہ اسلامی تعلیمات کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ مرد وعورت دونوں کو علم حاصل کرنا ضروری ہے لڑکیوں کی اخلاقی تربیت پر بھی زور دیا ان کی نفسیاتی پیچیدگیوں اور ذوق وشوق کا خیال رکھتے ہوئے کچھ ایسی نظمیں بھی تحریر کیں جو بطور خاص لڑکیوں کے لیے ہے۔ مثلاً ''ہندوستانی گڑیا اور ولایتی گڑیا''۔ دونوں نظموں میں مشرق ومغرب کا فرق بالکل واضح ہے۔ مشرقی گڑیا کی سیرت اور مزاج دیکھیے ۔

ہر قسم کے اخلاق کے بے مثل جواہر
لاتی ہے طبیعت کی سدا کان سے گڑیا
لڑکوں کے لیے کرتی ہے پوشاک کا سامان
ہر عید میں شعبان سے رمضان سے گڑیا
گڈا کوئی انگنائی میں گر غیر کھڑا ہو
غیرت سے نکلتی نہیں دالان میں گڑیا
رہتی ہے غریبی میں صدا جھونپڑے میں خوش

رکھتی ہے غرض قصر نہ ایوان سے گڑیا

اس میں مشرقی تہذیب وتمدن کی تمام خوبیاں موجود ہیں۔اب ایک جھلک ولایتی گڑیا کی بھی دیکھیے۔

پہن کے گون منقش یہ جب نکلتی ہے۔
میان خلوت فانوس شمع جلتی ہے
جو خوش خرام یہ شوخی کی چال چلتی ہے
تو دل کے چشمے سے کیا کیا خوشی ابلتی ہے
ہر اک ہنر میں ہے یکتا ولایتی گڑیا
عجب صفت کی ہے گڑیا ولایتی گڑیا
طلب کی راہوں میں گر خاک پھانک سکتی ہے
ہوا خوری کو یہ ٹمٹم بھی ہانک سکتی ہے
فٹن کی جوڑی کی قیمت بھی آنک سکتی ہے
ہر اک ہنر کے جھروکے سے جھانک سکتی ہے
ہر اک ہنر میں ہے یکتا ولایتی گڑیا
عجب صفت کی ہے گڑیا ولایتی گڑیا

مغربی تہذیب وتمدن اور طرز رہائش کی نمائندگی کرتی ہوئی یہ نظم جدید معاشرت کی بہترین عکاس ہے۔
ایک نظم بہ عنوان ''نئے بچوں کے دانت کیوں نہیں ہوتے'' ہے۔ یہ چھوٹے بحر کی بڑی رواں دواں نظم سے جو تاثر سے پر ہے۔نمونہ ملاحظہ ہو۔

پاس خدا کے اس بچی کا	لے کے فرشتہ خط جب پہنچا
موہ لیا دل طرز ادانے	ہنس دیا پڑھ کے خط کو خدا نے
اے معصوم اے پیاری بچی	دیکھ کے تیری نیت سچی
چاہتی ہے یوں میری مرضی	ہو منظور یہ تیری عرضی
پر اس میں ایک بھید ہے ٹھہرا	وقت ہے یہاں ہر کام کا ٹھہرا
وقت سے پہلے کام اگر ہو	درہم برہم ہو، ابتر ہو

بچوں کی عام دلچسپی کے موضوعات پر شہباز نے کئی نظمیں لکھی ہیں۔جیسے جلیبی، شہد کی مکھی، وفادار کتا، مکھی اور چونٹی، شکر نعمت، مٹھائی کی مناجات، چڑیا چڑے کی کہانی، قلم کی تعریف، سہیلی کا بیاہ، بھنگا نامہ، مکڑی اور مکھی، شکریہ پنیر، تہنیت عید وغیرہ متعدد نظمیں بچوں کے ذہن میں جاگزیں ہونے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔بچوں سے متعلق یہ تمام نظمیں شہباز کے طرز کلام کی مکمل ترجمانی کرتی ہیں۔لڑکے اور لڑکیوں کے لیے لکھی گئیں تمام نظمیں ہلکی پھلکی ہیں آسان زبان میں ہیں اور نصیحت آموز ہیں۔بچوں کے ذہن و ذوق کے مطابق ہیں۔بقول اختر اورینوی:

''ہر ادب میں بچوں کے لٹریچر کا بھی ایک اہم مقام ہے۔بچوں کا ادب بچوں کے نفسی تقاضوں کے مطابق ہونا چاہیے۔عام کہانیوں میں اگر فن کار ادبی رنگ بھرتا ہے تو یہ بڑی بات ہے۔شہباز نے یہ بڑی بات کر دکھائی ہے۔جانوروں اور چڑیا چڑوں کی کہانی سے اخلاقی سبق حاصل کرنے کی روایت بھی ہمیں ادب عالم میں ملتی ہے۔حکایات، لقمان، حکایات سعدی اور اسی طرح ہندوستان کی قدیم طوطا مینا کی کہانیوں میں اخلاقی سبق ملتے ہیں۔ بچوں کے ادب میں سلاست، فصاحت، دلچسپی حرکت وعمل اور مزاح کا عنصر ضروری ہے۔شہباز کی ان نظموں میں یہ خوبیاں ملتی ہیں۔''10

اس میں کوئی شک نہیں کہ بچوں کے لیے لکھنا ایک مشکل کام ہے لیکن شہباز نے اس مشکل کام کو نہایت خوش اسلوبی سے آسان بنالیا۔دوسرے انھوں نے ایسے موضوعات کا انتخاب کیا جو بچوں کے لیے دلچسپی پیدا کرنے والی تھیں صاف ستھری اور سادہ زبان استعمال کی جس کی وجہ سے سمجھنے میں کوئی دقت نہیں ہوتی ہے اور نہ ہی رکاوٹ پیش آتی ہے۔

شاعرانہ طرز اظہار کی سادگی وسہل پسندی نے ان نظموں کی جاذبیت اور اثرانگریز میں اضافہ کر دیا ہے۔اس سے اخلاقی سبق کے ساتھ ساتھ بچوں کے فکر وفہم کی قوت کو جلا ملتی ہے۔اور ان کی تربیت ہوتی ہے۔

شہباز کا کمال یہ ہے کہ انھوں نے ان چیزوں پر ان موضوعات پر طبع آزمائی کی جنھیں دوسرے لوگ قابل توجہ نہیں سمجھتے تھے وہ حساس طبیعت واقع ہوئے تھے۔ان کی نگاہ دوررس اور قوت مشاہدہ بہت تیز تھی۔

کلامِ نظیر سے انھیں والہانہ رغبت تھی۔جس کے اثرات ان کی شاعری پر بھی پڑے اور شعری میلان کا ایک دھارا ان کے تخلیقی سرچشمے میں آن ملا رنگ نظیر کا اثر ان کی شاعری میں واضح طور پر محسوس کیا جاسکتا ہے۔ غیر اہم اور نہایت معمولی موضوعات پر نظم تخلیق کرنا اسی رجحان کی عکاسی ہے۔شب برات، عید سعید، محرم، تہذیب قیس، زمزمۂ زندگی، چڑیا چڑے کی کہانی، مٹھائی کی مناجات، شہد کی مکھی، مکھی اور چیونٹی جیسے موضوعات پر نظمیں انہی اثرات کا نتیجہ ہیں۔

انگریزی میں جانوروں کے مکالمے پر مبنی شاعری بکثرت ملتی ہے۔شہباز چونکہ مغربی ادب سے بخوبی واقف تھے۔لہٰذا انھوں نے بھی اس نوع کی کوششیں کی ہیں۔نظم مکڑی اور مکھی، مکھی اور چیونٹی، مرغ اور مرغی اور اس قبیل کی دوسری مکالماتی نظموں میں ان کی یہ کوشش بہت کامیاب ہے۔انھوں نے مغربی مکالماتی فنکاری کو مشرقی طرز فنکاری میں عمدگی سے تبدیل کیا ہے۔بعد میں علامہ اقبال نے اس نوع کی تخلیقی کاوشیں کیں۔ان نظموں میں طنز و ظرافت کے ساتھ عقل و حکمت اور صوت و آہنگ بھرپور ہے۔

شہباز کا عہد جدید نظم نگاری کی روایتوں کی تشکیل کا عہد تھا، انجمن پنجاب کی نظم نگاری کی تحریک کی ابتدا ہوچکی تھی۔موضوعاتی شاعری کو غزل کی بالادستی کے باوجود دھیرے دھیرے مقبولیت حاصل ہو رہی تھی۔اس عہد میں شہباز نے بچوں کی شاعری کے ذریعے ایک تازہ تر اسلوب سخن کی دریافت کی۔اور اپنی شاعری کے ذریعے اردو کے سرمایہ شاعری کے ساتھ ساتھ بچوں کے ادب میں بھی قابل قدر اضافہ کیا۔اسماعیل میرٹھی کی روایتوں کو مضبوطی سے آگے بڑھایا جسے خاصی مقبولیت ملی بعد میں علامہ اقبال نے بھی اس سرمایہ میں خاطر خواہ اضافہ کیا۔شہباز بچوں کے شاعر کی حیثیت سے ہمیشہ جانے جائیں گے۔اور ادب اطفال کے قابل قدر شاعروں میں ان کا شمار ہوگا۔

دیگر ادبی جہات

صحافتی جہت

جیسا کہ میں قبل بھی لکھ چکا ہوں کہ شہباز انتہائی ذہن طبیعت واقع ہوئے تھے۔والد کی زیرسرپرستی تعلیم کے دوران عربی، فارسی اور اردو میں اچھی استعداد پیدا کرلی اور لڑکپن ہی سے مضمون نگاری شروع کردی۔رسائل و جرائد میں چھپنے بھی لگے۔ہم عصر ادیبوں سے خط و کتابت کا سلسلہ بھی قائم ہوگیا۔جس سے شناسائی بھی بڑھی اور بڑے بڑے قلم کاروں اور ادیبوں سے روابط بھی قائم ہوئے۔جس سے انھیں اپنی ملازمت میں ہر جگہ سہولت بھی فراہم ہوئی۔

صحافت میں داخلہ بھی اسی ذریعے سے ہوا۔یہ کوئی 1880ء1881ء کی بات ہے اس وقت شہباز کی عمر صرف 22 سال تھی۔عنفوان شباب کا زمانہ تھا کلکتہ سے ایسٹ انڈیا کمپنی کے زیراہتمام ایک اخبار ''دارالسلطنت'' کے اجرا کی کوشش ہو رہی تھی۔مالکان اخبار نے یہ ذمہ داری نواب بہادر عبداللطیف خاں (سی۔آئی۔ای) اور نواب سید محمد آزاد کے سپرد کی کہ کوئی لایق ایڈیٹر تجویز فرمادیں۔شہباز اس وقت سید محمد آزاد کی سرپرستی میں تھے۔ان دونوں صاحبان کی مشترکہ نظر انتخاب عبدالغفور پر پڑی۔اس طرح شہباز صحافت کی دنیا میں داخل ہوگیے۔شہباز نے اپنی محنت و لگن اور اپنی صلاحیت و قابلیت سے اخبار میں روح پھونک دی اور اخبار کو کافی شہرت نصیب ہوئی۔لیکن افسوس چند سال بعد ہی اخبار کسی وجہ سے بند کردیا گیا۔

اس سلسلے میں شہباز ''زندگانی بےنظیر'' کے دیباچہ میں رقم طراز ہیں:۔

> ''اخبار جس کا میں ایڈیٹر تھا چونکہ ہندوستان کے انگریزی دارالسلطنت سے نکلتا تھا اور بادشاہ کمپنی کے زیراہتمام تھا لہٰذا ''دارالسلطنت'' کہلاتا بھی تھا۔اس کے مالک معمولی تعلیم کے پنجابی تھے۔پڑھے لکھے کی صحبت میں اٹھتے بیٹھتے چشم بددور کچھ لکھنا

پڑھنا سیکھ گیے تھے۔''

1883۔1884 میں کلکتے کی مشہور سرکاری نمائش کا بڑے پیمانے پر پورے تزک و اہتمام کے ساتھ انعقاد کیا گیا۔شہباز نے موقع کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے رفقاء کے مشورہ وایما پر''جریدہ نمایش'' کے نام سے ایک رسالہ جاری کیا۔شہباز کی ندرت ادارت اور جدت طبع نے اس رسالے کو وہ شان بخشی کہ نمایش کے دوران اسے خوب شہرت ملی اور اس قدر مشہور ہوا کہ لوگ مدت تک اسے یاد کرتے رہے۔

کچھ دنوں تک نواب سید عبداللطیف خاں کی وساطت سے نواب ڈھاکہ احسن اللہ خاں کے کلکتہ مطبع میں''اردو گائیڈ'' کی ادارت کے فرائض انجام دیئے۔اس کے بعد ایک اور اخبار''نور بصیرت'' کی ادارت بھی کچھ دنوں تک سنبھالی۔ڈاکٹر کلیم عاجز کی تحقیق کے مطابق جریدہ''روشنی'' کلکتہ کی ادارت کے فرائض بھی کچھ دنوں تک شہباز نے ادا کیے۔شہباز کے خطوط سے جرید''صدق بہار'' پٹنہ کی ادارت کا بھی پتہ چلتا ہے۔یہ رسالہ شہباز کے ہم زلف عبدالقادر عظیم آبادی نکالتے تھے۔ان تمام جرائد و رسائل میں مختصر مدت ہی کا معاملہ رہا۔طویل عرصے تک کسی رسالے کی زندگی باقی نہیں رہی۔اودھ پنچ لکھنؤ اور''الپنچ'' باقی پور پٹنہ کے نامہ نگار بھی رہے اور اس حیثیت سے بھی شہرت وعزت اور قدر و منزلت نصیب ہوئی۔شہباز نے ہر جگہ اپنی بہترین ادارتی ذمہ داری نبھائی۔جس اخبار میں رہے اس کی قدر و قیمت میں اضافہ کیا۔اس طرح شہباز نے میدان صحافت میں بھی اپنے قلم کے جوہر دکھلائے اور داد وتحسین حاصل کی۔اچھی صحافت کے اوصاف حمیدہ سے لوگوں کو واقف کرایا۔پٹنہ سے لاہور تک کوئی ایسا موقر جریدہ نہیں تھا جس میں شہباز کی نگارشات شائع نہ ہوئی ہوں۔یہ بھی آپ کی زندگی کا ایک روشن ترین پہلو ہے۔ادیب وشاعر شہباز میں صحافی شہباز کہیں گم ہو کے رہ گیا۔

ترجمہ نگاری

شہباز نے خاصی کم عمری میں کئی زبانوں مثلاً عربی، فارسی اور اردو میں اچھی صلاحیت پیدا کر لی تھی اور والد کی سرپرستی میں تعلیم حاصل کرنے کے دوران مضامین لکھنا اور رسائل میں چھپوانا شروع کر دیا تھا۔جس کی وجہ سے مشاہیر علم وادب میں ان کی لیاقت کو سند مل چکی تھی لہٰذا انگریزی تعلیم کے لیے جب اسکول میں داخلہ لیا تو بہت جلد انگریزی زبان میں بہترین صلاحیت پیدا کر لی۔تعلیم اور ملازمت کے سلسلے میں مسلسل انگریزی کے رابطے میں رہے اور اپنی صلاحیتوں کو فروغ دیتے رہے۔عربی، فارسی، اردو اور انگریزی زبانوں میں یکساں قدرت حاصل کرنے کے بعد ان کی فطرت کی جولانی نے انھیں ترجمہ

کی طرف راغب کیا۔سب سے پہلے تو فارسی سے اردو میں ترجمہ کیا۔یہ ترجمہ سید جمال الدین افغانی جو ایک طرح سے ان کے استاد بھی تھے۔ان کی فارسی نظم جو تحریک نیچری کی مخالفت میں تھی اس کا اردو میں ترجمہ کر کے''ردنیچری'' کے نام سے شائع کیا۔

ملازمت کے سلسلے میں ترجمہ نگاری کے کام نے ان کی رغبت انگریزی اردو ترجمے میں بھی کافی بڑھادی۔انھوں نے صرف ادبی شہ پارے کا ہی نہیں بلکہ دوسرے میدان ومضمون کی کتابوں کا بھی اردو میں ترجمہ کر کے کافی شہرت پائی۔سب سے پہلے طب کی انگریزی کتاب JURISPRUDENCE MEDICAL اور MID WIFERY کا اردو میں رواں اور شستہ ترجمہ کیا جو کافی مقبول ہوا اور اس کے کئی ایڈیشن ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو گیے۔

شہباز کے عہد میں مغربی ادب کے فن پاروں کو اردو کا جامہ پہنانے کی شروعات ہو چکی تھی۔اقبال انگریزی کی کئی نظموں کو منظوم شکل میں اردو قالب میں ڈھال چکے تھے اور وہ کافی مشہور ہوئیں۔ذوق مطالعہ اور جدت طبع نے شہباز کو بھی اس طرف راغب کیا۔زبان پر قدرت نے مزید جلا کیا اور ترجمے میں وہ ندرت پیدا ہوئی کہ ترجمے ترجمے نہ معلوم ہو کر تخلیق اور طبع زاد کارنامے معلوم ہونے لگے جو ایک بہترین ترجمے کی خاصیت ہے۔شہباز نے اس میدان میں مضبوطی کے ساتھ قدم رکھا۔

سب سے پہلے SOWTHEY کی مشہور نظم''دریائے لڈور کی روانی''

("HOWTHE WATER CAMES DOWN AT LADOUR")

کا منظوم ترجمہ'' آب رواں'' کے نام سے کیا۔زبان سلیس اور رواں دواں ہونے کی وجہ سے ترجمے کو کافی مقبولیت ملی۔جبکہ شہباز سے قبل اس نظم کا ترجمہ''آبشار کوہستان'' کے نام سے اکبرالہ آبادی کر چکے تھے۔لیکن اکبر کے مقابلے شہباز کے ترجمے کو زیادہ پسند کیا گیا۔وفا راشدی فرماتے ہیں۔

> ''شہباز کا ایک قابل قدر کارنامہ جوان کی انگریزی کا ثبوت ہے۔ایک عدم المثال انگریزی نظم''آبشار لڈور'' کا کامیاب ترجمہ ہے۔یہ مغرب کے مشہور شاعر سدے کی نہایت متفی نظم ہے۔''11

دوسری نظم انگریزی کے ممتاز شاعر ایچ۔ڈبلیو۔لونگ فیلو کی ہے۔ان کی نظم کا عنوان دی سام آف لائف (THE PSALAM OF LIFE) ہے جس کا''زمزمۂ زندگی'' کے عنوان سے بہت ہی

خوبصورت ترجمہ کیا۔اور دونوں زبانوں پر یکساں کامل قدرت رکھنے کا ثبوت پیش کیا۔

تیسری نظم ''دی برڈ آف پیراڈائز(THE BIRD OF PARADISE) کا انگریزی منظوم ترجمہ ''طائرالفردوس'' کے عنوان سے کیا۔

چوتھی تخلیق اولیور گولڈ اسمتھ کی طویل اور معروف زمانہ نظم THE HERMIT کا منظوم ترجمہ ٹھیٹ زبان میں ''جوگی نامہ'' کے عنوان سے کیا۔اس نظم کے ترجمے کا کمال یہ ہے کہ بیالیس بندوں کی اس طویل نظم کے ترجمے میں عربی یا فارسی کا ایک بھی لفظ شامل نہیں ہے۔اس سے ان کی بالیدگی فکر اور زبان پر بے پناہ قدرت کا پتہ چلتا ہے۔یہ تمام ترجمے شہباز کی قادرالکلامی کی مثال پیش کرتے ہیں۔

پانچواں ترجمہ جے۔ایچ۔لے ہنٹ کی نصیحت آموز نظم ''ابو بن ادھم'' کا کیا اور اس کا عنوان ''ابراہیم بن ادھم'' رکھا۔یہ نظم ان کے مجموعہ کلام ''تفریح القلوب'' میں شامل ہے۔

ان کے اس فن پر روشنی ڈالتے ہوئے وفا راشدی رقم طراز ہیں:

> وہ بیک وقت کئی زبانوں انگریزی اردو، بنگلہ فارسی اور عربی پر کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ انگریزی ادب سے خاصی دلچسپی تھی۔بنگال کے قابل ترین انگریزی دانوں میں ان کا شمار ہوتا تھا۔مشرقی ادب سے جس قدر متاثر تھے وہ تو ظاہر ہے لیکن مغربی ادب سے استفادہ کیا تھا اور ادب کی بعض مفید چیزیں اردو ادب میں شامل کیں۔''12

ترجمہ جیسے مشکل کام کو بھی شہباز اپنی خلاقی طبع اور ذکاوت حس کی وجہ سے بے مثال بنا دیا اور فن پارے کی روح میں اتر کر اپنے کمال فن کا مظاہرہ کیا۔ان کے کیے ہوئے ترجمے کی تفہیم میں کہیں بھی دشواری نہیں ہوتی۔مندرجہ بالا ترجموں میں شہباز نے اصل شاعر کے خیال کو اپنے تخلیقی عمل سے گزارتے وقت بہ حسن وخوبی برقرار رکھا ہے۔زبان آسان، بحریں رواں دواں اور تکنیک جداگانہ ہے۔یہ نظمیں ترجمہ نہیں معلوم ہوتیں بلکہ طبع زاد معلوم ہوتیں ہیں اور اصل نظموں کا قالب اختیار کر گئیں ہیں۔وقت گزرنے کے ساتھ ان کی اہمیت میں اضافہ ہوتا رہے گا۔

مکتوب نگاری

مکتوب نگاری کو علمی دنیا میں بڑی اہمیت حاصل رہی ہے۔یہ ترسیل عامہ کے زمرے میں آتا ہے اور ذرائع ابلاغ کا بہت اہم ذریعہ رہا ہے۔جب ذرائع عامہ کا کوئی ذریعہ نہیں تھا تو اس وقت یہ پیغام رسانی کا

واحد ذریعہ تھا۔ہر طرح کے پیغام ومعلومات وادبی بحث ومباحثہ اور ڈسکورس کے لیے اسی ذریعے کا بھرپور استعمال کیا گیا۔یہاں تک کہ تعلیم وتربیت کے لیے بھی یہی موثر ذریعہ رہا ہے۔تمام والدین جن کے بچے حصول تعلیم کے لیے گھر سے باہر کسی دوسرے شہر میں رہتے تھے۔اپنے بچوں میں علمی رغبت پیدا کرنے اور ان کو بہتر انسان بننے کی نصیحت کے لیے بھی اسی ذریعے کا استعمال کرتے تھے یعنی تعلیم وتربیت دونوں کا کام اسی سے لیا جاتا تھا۔

جب ادبا وشعرا نے علمی وادبی گفتگو، بحث ومباحثے اور معلومات کے تبادلے کی ترسیل کے لیے اس ذریعے کا استعمال کیا تو اس ادبی شہ پارے کو مکتوباتی ادب کا نام دیا گیا اور حب اس ذریعے کا استعمال فکشن وغیرہ میں کیا گیا تو پھر یہ ایک باضابطہ صنف بن گئی اور پھر لیلیٰ کے خطوط اور مجنوں کی ڈائری جیسے ادبی شہ پارے کا وجود عمل میں آیا اور پھر ادیبوں کی خط وکتابت کا باضابطہ ایک دفتر وجود میں آیا اور اقبال کے خطوط، غالب کے خطوط، آزاد کا غبار خاطر مہدی افادی کے خطوط، صفیہ کے خطوط شبلی کے خطوط وغیرہ وہ ادبی شہ پارے وجود میں آئے جس نے ادب اور ادیب کے بہت سے سربستہ رازوں سے پردے ہٹائے آج ان مکتوباتی ادب کی اہمیت غیر معمولی ہے۔

شہباز کے زمانے میں دلی جذبات کے اظہار کا یہ واحد وسیلہ تھا جس سے بہ یک وقت کئی کام لیے جاتے تھے خیر وخبر، علمی تبادلہ، معلومات کی فراہمی وترسیل، دلی جذبات کا اظہار اور تعلیم وتربیت، پندونصائح وغیرہ۔اس ذریعے کا استعمال مراسلاتی تعلیم کے لیے بھی کیا گیا۔آج کی مراسلاتی ذریعہ تعلیم اور فاصلاتی نظام تعلیم کا قدیم ماڈل اسے ہم کہہ سکتے ہیں۔ شہباز نے ''موعظہ حسنہ'' کے نام سے ڈپٹی نذیر احمد کے خطوط کو مرتب کیا۔جو انھوں نے اپنے بیٹے مولوی بشیر الدین احمد کو لکھتے تھے ان خطوط میں ڈپٹی نذیر احمد نے اپنے بیٹے کی تعلیم وتربیت کس طرح کی دیکھنے کی چیز ہے۔ان خطوط نے ترغیب تعلیم، نصیحتوں اور سبق آموز باتوں کے ذریعہ کس طرح علم سے رغبت پیدا کی اور صالح خطوط پر ان کی تربیت کی۔افادیت سے بھرپور یہ خطوط نثری شہ پارے کا بھی عمدہ نمونہ ہیں۔

شہباز کے خطوط کے دو مجموعے ''نامۂ شوق'' اور ''مکتوبات شہباز'' شائع ہوئے ہیں۔''نامہ شوق'' ان خطوط کا مجموعہ ہے جو شہباز نے اپنی پہلی رفیقہ حیات مرحومہ شمس النساء یا شمسہ خاتون کو لکھے تھے۔ان خطوں کی تعداد سو ہے۔یہ خطوط شہباز کی صاحبزادی بشریٰ بیگم کے پاس محفوظ تھے۔ان خطوط کو ان کے

پڑپوتے ڈاکٹر سید صابر حسین (پروفیسر شعبہ اردو بہار یونی ورسٹی مظفر پور) نے مرتب کر کے جمیل مظہری کے مقدمے کے ساتھ 1980ء میں شائع کرادیا۔ یہ خطوط اردو کے نثری خزانے میں انمول اضافہ ہیں۔

شہباز نے خطوں کے ذریعے اپنی ناخواندہ بیوی کو خواندہ بنانے اور ان کی سیرت نگاری کی جو کوشش کی ہے وہ ایک صالح مرد کی صحت مند معاشرے کی تشکیل کے لیے اٹھایا گیا ایک بہتر قدم قرار دیا جا سکتا ہے۔ یہ خطوط صرف خیریت کے عمومی خطوط نہیں ہیں بلکہ ایک ذمہ دار اور بے پناہ محبت کرنے والے شوہر کے وہ جذبات ہیں جو شریعت کی پاسداری کے ساتھ اپنی رفیقۂ حیات کے شرعی شعور کی بیداری کے لیے کوشاں ہے۔ یہ کوشش مسلسل اور متواتر جاری ہے، جس کا پتہ ان خطوں سے چلتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

سہسرام

21رفروری 1880 بروز شنبہ

میری پیاری بیوی صاحبہ کو سلام کے بعد

میں نے کل تمھیں کوئی خط نہ لکھا اس کی وجہ یہ کہ مجھے کئی خط لکھنے تھے میاں برہان کو تمھارے بہنوئی میاں قادر کو اور بھی کئی شخصوں کو۔ تالی دونوں ہاتھوں سے بھی بجتی ہے یہ کیا کہ میں تو خط لکھوں اور تم نہ لکھو۔ لکھنا سیکھو کہ میرا حال تم کو اور تمھارا حال مجھ کو برابر معلوم رہا کرے۔ ابھی جب تک تمھیں لکھنا نہیں آتا تو خدا کے لیے اتنا تو کرو کہ میرے خطوں کو غور سے دیکھو اور ردّی سمجھ کر پھینک نہ دو۔ میرے خط جو روز جاتے ہیں اس سے ان کو نکما نہ سمجھو۔ میں خطوں میں بھی تمھاری تعلیم سے غافل نہیں۔

سنو صاحب ہفتہ سات روز کا ہوتا ہے سنیچر ایک اتوار دو سوموار تین منگل چار بدھ پانچ جمعرات چھ جمعہ سات کیوں سات روز ہوتے ہیں نا۔ انھیں کو ہفتہ کے ساتھ روز کہتے ہیں۔ ان سات روزوں کے فارسی میں دوسرے دوسرے نام ہیں۔ سنیچر کو فارسی میں شنبہ کہتے ہیں (شین نون زبر شم بے ہے زبر باشمبا) اتوار کو یک شنبہ (یک شمبا) سوموار کو دوشنبہ (دوشمبا) منگل کو سہ شنبہ (سین ہے زیر سے شمبا) بدھ کو چہارشنبہ، جمعرات کو پنج شنبہ۔ جمعہ کو آدینہ۔ لو ان ناموں کو یاد کر لو تو پھر عربی کے مہینوں کے نام بتا دوں گا۔ روزوں کے نام کا تلفظ میں نے ہجے کر کے بتا دیا ہے۔ غور سے دیکھو۔ دس تک کی فارسی میں مجھ سے کھڑی کھڑی سن لو۔

ایک کی فارسی یک (یے کاف زبر یک) دو کی دو۔ تین کی سہ (سین ہے زبر سے) چار کی چہار۔ پانچ کی پنج۔ چھ کی شش۔ سات کی ہفت (ہے فے زبر ہف تے موقوف ہفت) آٹھ کی ہشت (ہے شین

زبر ہش تے موقوف ہشت) نو کی نُہ (نون ہے پیش نُہ دس کی دہ۔ لو دس تک کی فارسی میں بتا تو گیا اب تم یاد کر لو تو میں جانوں صغریٰ کو میری طرف سے پیار کر لو اور اس کا منہ چوم لو۔

کل میرے جی میں ہے کہ تمھیں ایک مزے کا قصہ سناؤں کیوں تمھارا بھی سننے کو چاہتا ہے یا نہیں۔ یہیں سے میں تمھارے دل کی باتیں سمجھتا ہوں تمھاری صورت گواہی دیتی ہے کہ تمھارا سننے کو جی چاہتا ہے۔ اچھا تو میں کل سے قصہ ہی سناؤں گا۔ جمعہ میاں منصف صاحب کے منجھلے بھائی جن کا ذکر میں نے تمھارے سامنے کئی بار کیا ہے وہ تمھیں سلام کہتے ہیں اور شوق۔

عبدالغفور

سہسرام

29رفروری وقت شب 1880

سلام کے بعد

آج یہاں ایک وکیل کے بیٹے کی شادی ہے بڑی دھوم دھام ہے کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی برات کا سامان بہت بڑا ہے۔ ہاتھی، گھوڑا، اونٹ، ہودہ، عماری، شلیتا، زین، عصا، سونٹا ماہی، مراتب سبھی سامان فضول خرچیوں کے موجود۔ آتش بازی بھی بہت۔ مجھے اس سے اپنی شادی یاد آ گئی۔ میری شادی تم جانتی ہو کہ شرعی تھی لیکن پھر بھی بہت سی باتیں خلافِ شرع ہوئیں۔ آتش بازی زیادہ تو نہیں لیکن ماہتاب اور دیپک آخر جلی ہی تھی ڈھول بھی شاید تھا لال کپڑا کسم کا رنگا ہوا تو تم نے پہنے دیکھا ہی تھا رسمیں تو تمھارے سامنے ہی ہوئی تھیں۔ غرض شادی کی بدولت ہر طرح کی فضیحتی نصیب ہوئی ہاں شادی کے زمانے کا مزا دل سے نہ بھولے گا۔ کسی دوسرے کی شادی ہوتی ہے تو تم جانتی ہو میرے تن بدن میں آگ لگ جاتی ہے مارے رشک کے جل جاتا ہوں۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ اس کو وہی لطف حاصل ہے جو مجھ کو ہوا تھا پھر یہ سمجھتا ہوں کہ کیوں نہیں وہ لطف مجھے حاصل ہوتا ہے جو اس کو ہو رہا ہے اسی خیال سے کبھی مجھے دوسری شادی کی بھی دھن ہو جاتی ہے کہ وہ لطف پھر ملتا اس سے تم یہ نہ سمجھو کہ میں بیاہ کرنے کو مستعد ہوں میں کبھی دوسری شادی نہ کروں گا اور اگر کروں گا بھی تو تمھاری مرضی سے اور تمھاری اجازت لے کر اور میں دوسری شادی کیوں کروں تمھاری سی صفتیں دوسرے میں کہاں ملیں گی یہ حسن و جمال یہ قد و قامت، یہ قیافہ یہ صورت یہ رنگت یہ روغن بھلا دوسرے میں کہاں پاؤں گا اس پر تمھارا پڑھا ہوا ہونا۔ میں تمھاری کن کن صفتوں کو بیان

کروں۔ ہاں کبھی یہ جی چاہتا ہے کہ لکھنؤ یا دلی کی بیگم بیاہ لاؤں صرف اس مطلب سے کہ ان کی زبان بہت پاکیزہ ہوتی ہے لیکن میں غور کرتا ہوں تو تمھاری زبان میں بھی کوئی برائی نہیں دیکھتا۔ زبان تمھاری بھی ماشاء اللہ صاف ہے کتاب برابر دیکھتی اور پڑھتی رہو گی تو تم بھی دلی، لکھنؤ کی بیگموں کی طرح بولنے لگو گی۔ مجھ کو دیکھو اگر چہ اب زبان خراب ہو گئی ہے لیکن لکھنے بیٹھتا ہوں تو پھر دلی لکھنؤ والے بھی سامنے ہاتھ جوڑے کھڑے رہتے ہیں اور زبان سنبھال کر بولوں گا تو بولنے میں بھی ان سے کم نہ رہوں گا پھر کیا وجہ ہے کہ میری زبان ایسی صاف اور میرا لکھنا ایسا درست ہے میری اصلی زبان تو وہی ہے جو میرے ماں باپ کی ہے جس کو سن سن کر تم ہنستی ہو اور طعن کرتی ہو۔ وجہ یہی کہ میں نے پڑھ لکھ کر زبان سیکھنے کی کوشش کی کوشش سے آ گئی تم بھی کوشش کرو گی آ جائے گی۔ اگر تم چاہو کہ میں دوسرا بیاہ نہ کروں تو تم اپنی زبان صاف کرو نہیں تو میں ضرور دوسرا بیاہ کر لوں گا۔ ہاں زبان درست کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ روز دو چار ورق کتاب کے پڑھا کرو اور چار پانچ دفعہ میرا خط جو تمھارے نام روزانہ روانہ ہوتا ہے پڑھ لیا کرو۔ میں تم کو کئی روزوں سے اس بات کے کہنے کی خواہش کر رہا تھا لیکن بھول بھول جاتا تھا آج یاد کر کے لکھتا ہوں کہ میرا خط تمھارے پاس روز پہنچتا ہے اس کو بے قدر مت سمجھو دس دفعہ سے کم مت پڑھو اور کبھی کبھی پچھلے خطوں کو بھی پھر دیکھ لیا کرو۔ ہاں میں خطوں میں بہت سی باتیں تمھاری تعلیم کی بھی لکھتا ہوں ان کا یاد کر لینا بہت ضروری ہے۔ سو کام ہزار کام چھوڑ کر ان کو ضرور یاد کر لیا کرو۔

میں نے کل تمھاری باجی کو سلام لکھا تھا لیکن آج قادر میاں کے خط سے معلوم ہوا کہ وہ بہار میں ہیں۔ وہ تو فارسی اب خوب پڑھنے لگیں اب تھوڑے دنوں میں اردو کا خط بھی لکھنے لگیں گی۔ بڑی شرم کی بات ہے کہ ان سے تم کم رہو۔ تم اگر صرف میرے خطوں کو بھی برابر غور سے پڑھا کرو گی تو تمھاری استعداد بنی رہے گی لکھنے کی میں برابر تاکید کر رہا ہوں لیکن تم دھیان ہی نہیں دیتیں۔ لکھنا سیکھو۔ آمد نامہ جتنا بھر پڑھ لیا ہے اس کو بھولنے مت دو۔

سنا ہے کہ ربیع الثانی ہی کے مہینے میں محمد ہاشم کی شادی ہے۔ خدا مبارک کرے۔

عبدالغفور

از سہسرام۔ 27 مارچ (1880ء)

ہر روز چار صفحوں سے زیادہ پڑھا کرو   فرصت رہے تو شام کو تختہ لکھا کرو
اور جتنے خط کہ جائیں یہاں سہسرام سے   دو چار بار ان کو بھی تم پڑھ لیا کرو
خط ڈاک کا پیادہ جو لاتا ہو دیر میں   چند یا کو بھیج کر تمھیں منگوا لیا کرو
جو کوئی تم سے پوچھے مرا حال آن کر   احوال میرے اس سے ذرا کہہ دیا کرو
جو کوئی خط کو دیکھ کے جلتا ہو جان سے   بے خوف اس سے کہہ دو کہ بس تم جلا کرو
کرنا کبھی نہ میری جدائی کا رنج تم   ہمجولیوں میں اپنے خوشی سے رہا کرو
کاٹا کرو تم اپنا ہنسی اور خوشی سے دن   میرے بچھڑنے کا نہ کسی سے گلا کرو
دل سوچ سے بھی ہوتا ہے انسان کا خراب   تم سوچ میں ہمارے نہ ہرگز رہا کرو
گپ شب میں کٹ ہی جائیں گے دن فکر مت کرو   غم مت کرو خوشی میں رہو بس ہنسا کرو
ہو گی خوشی خدا کی تو مل لیں گے ایک دن   تم جا نماز پر لو خدا سے دعا کرو
قرآن ہو سکے تو تلاوت کیا کرو   پانچوں گھڑی خدا کی عبادت کیا کرو

میں تمھیں یہ شعر لکھ ہی رہا تھا کہ محمد ہاشم کا خط نوادہ سے آیا۔ تم لوگوں نے ان کو کس واسطے بلایا۔ سوائے ملاقات کے اور بہت سے کون کام ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان کی شادی کی فکر ہو رہی ہے، اچھا ہے نوجوان آدمی کو بٹھا رکھنا نہ چاہیے اس وقت مولوی بشیر الدین صاحب کا بھی خط آیا ہے وہ تم کو سلام اور تمھاری لڑکی صغریٰ کو دعا کہتے ہیں۔ مجھ کو صغریٰ کی صحت کا حال معلوم ہوا اب خوش ہوں۔ میں اب اس وقت زیادہ نہیں لکھ سکتا۔ بشیر کا خط جواب کے لیے رکھا ہوا ہے۔ ہاں شعر جو میں نے شروع میں لکھے ہیں اس کو ذرا اچھی طرح پڑھنا کیوں کہ شعر ذرا سے اونچ نیچ میں وزن سے گر جاتا ہے اور پڑھنے میں برا معلوم ہوتا ہے۔ ہاشم آ گئے ہوں تو ان سے یہ شعر دکھلانا اور ان سے بہ طور سبق کے پڑھ لینا۔ ہاشم سے ان کی اصلاح بھی لینی ضرور ہے۔ اس وقت صبح کا بہت اچھا وقت ہے۔

والسلام

عبدالغفور غفرلہ،

ان تین طویل خطوں کو یہاں دینے کا مطلب یہ دکھانا ہے کہ شہباز کس قدر خلوص اور محنت سے اپنی رفیقۂ حیات کی علمی تربیت کے لیے کوشاں تھے کوئی خط ایسا نہیں ملتا جس میں سبق نہ دیے گیے ہوں۔ اردو مکتوب نگاری کی روایت میں مکتوب الیہ کو تعلیمی ترغیب دینے کی نظیر تو ملتی ہے۔ جیسے نذیر احمد نے اپنے بیٹے

کو، جواہر لعل نہرو نے اندرا گاندھی کو، یہ ترغیب دی ہے لیکن اپنی شریکِ زندگی کو سبقاً سبقاً تعلیم وتدریس کی یہ مثال انوکھی ہے۔ اور یہ صرف شہباز کا طرۂ امتیاز ہے۔ یہ مراسلاتی تعلیم وتدریس کا پرانا ماڈل ہے۔ نامہ شوق کی خصوصیت اور اہمیت یہ بھی ہے کہ اس میں شہباز کے ذوق شاعرانہ اور جمالیاتی کے عمدہ نمونے ملتے ہیں۔ ان مکتوبات کی ادبی اہمیت کے پیش نظر جمیل مظہری نے اپنے مقدمے میں ان کی خصوصیات پر اس طرح روشنی ڈالی ہے۔ لکھتے ہیں:

''مولانا ابوالکلام آزاد کا 'غبار خاطر' بھی خطوں ہی کا مجموعہ ہے مگر اس میں مولانا نے اپنی خاطر کے غبار ہی نکالے ہیں۔ وہ ادبی شہ پارے تو بیشک ہیں مگر ان میں نجی خطوط والی سادگی نہیں پرکاری ہے۔ مہدی افادی مرحوم کے خطوط بھی ان کی بیگم صاحبہ نے شائع کرائے مگر افسوس ہے کہ ان خطوط میں جہاں جہاں بھی نجی اور ازدواجی جذبات کے اشارات تھے انھیں قلمزد کر دیا۔ اس لیے یہ خطوط بھی ادبی خطوط ہی ہو کر رہ گیے ہیں۔ یہی حال تقریباً صفیہ مرحومہ کے خطوط کا بھی ہے جو انھوں نے اپنے شوہر جاں نثار اختر مرحوم کو لکھے تھے۔ ان میں بھی سیاسی اور ادبی مباحث کا رنگ غالب ہے جو بے تکلفی اور خلوص میاں بی بی کے خطوط میں ہونا چاہیے وہ بہت ہی کم ہے۔ میاں بی بی کے خطوں میں گھریلو پن ہونا چاہیے۔ ایسے خطوط کا کوئی مجموعہ اب تک زیر نظر مجموعہ کے سوا مجھے کہیں نظر نہیں آیا۔ شہباز مرحوم کے وہ خطوط جو انھوں نے اپنی بیگم صاحبہ کو لکھے ہیں سراپا گھریلو ہیں ان میں ان کی ادبی اور شاعرانہ رعنائی تو موجود ہے مگر بڑے بے تکلف انداز میں۔ بس ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے خطوط میں کھل کھیلے ہیں۔ ان کی رومان پسندی ان کے ہر جملے سے ٹپکی پڑتی ہے۔ انھیں جو محبت بلکہ عشق اپنی بیگم سے تھا اس کا اظہار بڑی بے ساختگی اور والہانہ انداز سے ہوا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ جیسے چہیتی بی بی سے ہم کلام ہیں، وہی شوخیاں ہیں جو دلوں کو گرماتی ہیں اور محبت کو تر وتازہ رکھتی ہیں۔ وہ اپنے خطوط میں ادیب نہیں بلکہ ایک شاعر نظر آتے ہیں جو اپنے محبوب سے راز و نیاز کر رہا ہو.... شہباز اپنی ازدواجی مسرتوں کی یاد ایسے پرشوق انداز میں کرتے ہیں جیسے کوئی رند مئے ارغوانی گھونٹ گھونٹ پیتا ہو یا کوئی افیونی چینا بیگم کی چسکیاں

لے کر ریوڑی چوستا ہو۔''13

علامہ جمیل مظہری نے اردو مکتوب نگاری کی روایت کا حوالہ دیتے ہوئے شہباز کے خطوط کی انفرادیت پر بھرپور روشنی ڈالی ہے اور اردو مکتوب نگاری میں اسے بے مثل قرار دیا ہے۔ ان خطوں میں شہباز کی زندگی کے احوال وکوائف ادبی سرگرمیوں کی دلچسپ داستان بھی ملتی ہے۔

شہباز کے خطوط کا دوسرا مجموعہ ''مکتوبات شہباز'' کے نام سے 1989ء میں منظر عام پر آیا۔ اسے بھی ان کے پڑپوتے ڈاکٹر سید صابر حسین نے مرتب کیا ہے۔ اس کتاب میں 8/فروری 1880ء سے 8/مئی 1906ء تک کے خطوط ہیں جن کی تعداد ایک سونو ہے۔ ان میں زیادہ تر خطوط نواب سید محمد آزاد کے نام ہیں۔ بقیہ صاحب زادہ آزاد، ایک عزیز محمد یعقوب، عارف باللہ سید مظفر بلخی، مولوی سید افتخار عالم مارہروی درحبیب الرحمٰن خان شیروانی کو لکھے گیے خطوط ہیں۔ تقریباً ستائس سال کی مدت پر محیط خطوں کی یہ تعداد کافی قلیل ہے۔ لگتا ہے بقیہ خط ضائع ہو گیے اس کی وضاحت اپنے پیش لفظ میں مرتب نے کی ہے۔ لکھتے ہیں:

''افسوس اس بات کا ہے کہ شہباز کے خطوط کا معتد بہ حصہ ضائع ہو چکا ہے۔ ان کے تحریر کردہ تمام خطوط موجود ہوتے تو مکتوبات کی کئی ضخیم جلدیں تیار ہو جاتیں۔ انھیں خطوط نگاری کا ملکہ بھی تھا اور شوق بے پایاں بھی...... بہرحال جتنے خطوط موجود ہیں ان کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ مکتوب نگاری کے فن کو انھوں نے نہایت سلیقے اور اہتمام سے برتا ہے۔''

مجموعہ ''نامہ شوق'' اور مکتوبات شہباز کے خطوط کی نوعیت الگ الگ ہے۔ نامہ شوق میں جیسا کہ اوپر عرض کر چکا ہوں کے تمام خطوط محرم درون خانہ کے نام ہیں۔ اور ''مکتوبات شہباز'' میں جو خطوط شامل ہیں وہ ادبی رفیقوں اور دانشوران عہد کے نام ہیں ان کی نوعیت بالکل الگ ہے چند خطوط برائے مطالعہ ملاحظہ فرمائیں:

25/دسمبر 1898 - بنام نواب سید محمد آزاد

سب سے پہلے Happy Christmas & Happy NewYear پھر

مخدومی۔ تسلیم۔ مدت مدید اور انتظار شدید کے بعد آپ کا 18/دسمبر کا عطوفت نامہ شرف ورود لایا۔ دیر آید درست آید کا مصداق ہے۔ مضامین کے اعتبار سے سیر حاصل ہے۔ پڑھ کر بہت خوش ہوا اور ایسا معلوم ہوا کہ کوئی ہمدرد دوست پاس بیٹھا گرد کلفت اڑا رہا ہے اور رنج وغربت منا رہا ہے۔ صحت کی پوٹ

طولا نا ہے مگر مختصر یہ ہے کہ اب الحمدللہ رو بہ افاقہ ہے۔ ڈاکٹر کا باضابطہ علاج جاری ہے۔ کل اس سے ملا تھا ضمانت صحت کے لیے وہ نصف ماہ اور بھی دوا جاری رکھنے کی تاکید کرتا ہے اور کہتا ہے کہ کوئی مقام خوف نہیں چوں کہ اس کی دوا سے افاقہ ہوا اور مجھ کو بوجوہ اس کے ساتھ عقیدت ہے لہٰذا میں اطمینان کے ساتھ اس کے قول پر تکیہ کرتا ہوں۔ خدا نے چاہا تو جلد اچھا ہو جاؤں گا۔ پھر آپ کو نہایت شگفتہ اور شاداب دل سے اس کی خوش خبری سناؤں گا خوش قسمتی سے جاڑوں کی چھٹیاں بھی مل گئی ہیں۔ علاج اور آسائش عافیت امتزاج سے جو تعطیل کی وجہ سے حاصل ہے عجب نہیں کہ رفتار افاقہ اس ریل کی طرح تیز ہو جائے جو دولت آباد سے اورنگ آباد کی آ رہی ہے۔ پرسوں سے میں مدرسے میں اٹھ آیا ہوں۔ یہ مکان عافیت کا ہے اور نہایت پر فضا ہے۔ یہاں کھانے پینے کا انتظام بھی خاص اپنا ہے۔ اپنی خواہش کے مطابق جو چاہتا ہوں پکواتا ہوں اور آزادی سے کھاتا ہوں۔ کسی قدر اس معانی میں تنہائی ضرورت سے زیادہ ہے۔ مگر پہلو میں ایک تھیٹریکل کمپنی اتری ہوئی ہے وہ راتوں کو اپنے کھیلوں سے غم غلط کرتی رہتی ہے۔ اگر صحت کی کسر نہ ہوتی تو یہ مکان شاعری کے لیے نہایت موزوں تھا۔ تصنیف کا کام بہت خوبی سے ہوتا۔ اس گری اور مری ہوئی صحت پر بھی دن میں دو دو بار گدگدی اٹھتی ہے مگر بہ مصلحت ضبط کرتی ہوں۔

کلیات نظیر چھپنا شروع ہوگیا۔ اسّی صفحے پروف کے صحیح کر کے واپس بھیج چکا ہوں۔ تمغے کا بھی بندوبست ہو رہا ہے دیر سویر آئے گا۔

شمس العلماء مولوی محمد حسین آزاد کا دربار اکبری چھپ گیا۔ میں نے ایک نسخہ منگوایا ہے کتاب اچھی ہے۔ گو مصنف کے جنون کی وجہ سے حسب خیال مصنف اس کی پوری تزئین و آرائش نہیں ہو سکی۔ خیال صحت میں ابھی تک اس کے مطالعے سے پوری طرح محظوظ نہیں ہو سکا۔ صرف اکبر اور بیرم خاں کے حالات پڑھ کر دیکھے۔ بیربل کا حال ایک دوست نے پڑھ کر سنایا۔ اگر انتظار کر سکیں تو بعد مطالعہ میں ہی بھیج دوں گا۔ ورنہ مطبع رفاہِ عام لاہور سے منگوا لیجیے۔ اسی مطبع سے ایک عورتوں کا اخبار بھی نکلتا ہے 'تہذیب نسواں' میرے خیال میں اچھا ہے۔ چنانچہ میں نے اپنی لڑکیوں کے نام جاری کرا دیا ہے۔

آج دن کے کھانے کے بعد آپ کا تار ملا۔ میں نے دیر تک ٹہل ٹہل کر اس نوکری کے کل اطراف و جوانب پر نظر کی اور آخر یہی رائے قائم ہوئی کہ وہ خدمت میرے لائق نہیں۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ میں تعلیم کے لیے نہایت موزوں ہوں حال آں کہ بہ تجربہ یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ مجھ سے زیادہ اس کام کے لیے ناموزوں کوئی نہیں۔ مگر Ironyof fate ہے کہ گھوڑے تھان میں بے دانے پانی ٹاپتے ہیں اور گدھے

سر سبز علف زار میں بر طرف کلیل کرتے پھرتے ہیں۔ اگر آپ میری زندگی اور خوشی چاہتے ہیں تو خدا کے لیے مجھے تعلیمات سے بچائیے۔ جب وہاں بھی تعلیمات ہی ہے تو تعلیمات ریاست نظام نے کیا قصور کیا ہے۔ صیاد کا ٹھکانہ ہے نہ ہے دام کمیں میں:

گوشے میں قفس کے مجھے آرام بہت ہے

تاوقتے کہ کوئی سرکاری ملازمت نہ ہو میں یہاں سے جنبش نہیں کر سکتا۔ پرائیوٹ ملازمتوں سے نہ صرف نفرت ہے بلکہ قطعی عداوت۔

خاک از تودۂ کلاں بردار۔ کاغذ کی تنگی خط بند کرنے پر مجبور کرتی ہے ورنہ ابھی بہت سے مضمون جواب کو باقی ہے۔ ہاشم تو تقرر تاریخ چاہتے ہیں آپ نے چلتے وقت جو تقریر فرمائی تھی وہ گستاخی معاف خلاف معاہدہ تھی لیکن میں نے پاس خاطر سے کچھ عرض نہ کیا۔

ترسم ازاں کہ خاطر دلدار نازک است

قلم کی آڑ ہم بزدلوں کو کسی طرح دلیر بناتی ہے اور اس دلیری کی بنیاد پر عرض ہے کہ آپ کو اپنے پولیٹیکل خیالات اور حکیمانہ دور اندیشیاں اس وقت جب کہ کل مضامین پہلے ہی طے ہو چکے ہیں.......رکھنی چاہئیں اور حسب قرارداد سابق بعد امتحان سالانہ بندوبست شادی ہونی چاہیے۔ لڑکی کے لیے زندگی تک آپ کو کوئی تردد کرنا نہ پڑے گا۔ آئندہ خدا مالک ہے:

کار ساز ما بفکر کار ما   مکر مادر کار ما آزار ما

مخدومی آزاد کو اس گرفتار مصائب کا بہت بہت سلسلہ۔ مخدومی میر اکبر حسین کو بھی علیٰ ہذا امرود یہاں بھی بہت اچھے ہوتے ہیں۔ ریل یہاں تک آ جائے تو ممکن ہے ایک آدھ کھیپ دولت آباد کے امرودوں اور جالے کے سنگتروں کی روانہ کی جائے۔

والسلام

عبدالغفور

دہلی: 8 رمئی 1906ء

بنام مولوی حبیب الرحمٰن خانصاحب شیروانی

مکرمی مخدومی وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ علیہ وبرکاتہٗ

ادھر کئی عنایت نامے آپ کے پہونچے اور خلوص واخلاص سے مالا مال بھلا آپ بلائیں اور میں نہ آؤں مگر ہر امر وقت پر موقوف ہے۔ میں ارادہ کر رہا تھا کہ کلکتے سے تار آیا جلد چلے آؤ ایک نواب جلیل القدر تم سے ملنا چاہتے ہیں وہ کوئی اچھا عہدہ تمھیں عنایت کرنے والے ہیں:

سگے را گر کلوخے، بر سر آید   ز شادی بر جہد کایں استخوانے است

نہیں معلوم وہ عہدہ کیا ہے اور وہ نواب صاحب کون ہیں مگر اپنی حاجت مندی کی وجہ سے دوڑا چلا جاتا ہوں۔ پرسوں جمعرات کو قصد روانگی ہے لہٰذا کچھ دنوں کے لیے میری حاضری معرض تعویق میں جا پڑی بہر حال یار باقی صحبت باقی۔ میں ان پانچ چھ ورقوں کا بہت شکر گزار ہوں جو آپ نے براہ کرم محمد صاحب کے کتب خانے سے لکھوا کر بھیجے ہیں۔ اب میرا دیباچہ عزت الکمال مکمل ہو گیا۔ گو دیوان ابھی تک نامکمل ہے۔ اخیر رباعی میری کتاب میں یہ ہے۔

من تخم وفائے تو بدل کارم و بس   ہوش و دل حال را بتو بانگما رم وبس
گفتم بجہاں دوست گرامی داری   من در دو جہاں دوست ہمیں دارم وبس

آپ اپنی کتاب کو دیکھ کر کچھ اندازہ بتا سکتے ہیں کہ میری کتاب کے کتنے ورق شائع ہوئے ہیں کلیات میں کون سا کلیات ہے۔ کیا نہایت الکمال کا نسخہ بھی ہے یہ پانچواں دیوان ہے یا انھیں چاروں سے منتخب کیا ہے اس میں حضرت سلطان سید الاولیاء کا مرثیہ یا کوئی اور ایسی نظم بھی چاروں سے اس کے بقیہ بقیہ کے بعد لکھے جانے کا گمان ہو۔ مثنویاں آپ کے پاس کون کون سی ہیں۔ خمسہ تو میرے پاس بھی موجود ہے قرن السعدین چھپ گئی ہر جگہ ملتی۔ نہ سپہر کا نسخہ میں نے نواب احمد سعید خاں صاحب کے کتب خانے میں دیکھا تھا۔ بقدر ضرورت نقل کی ہے پوری کتاب میرے پاس نہیں تغلق نامے کی صورت تھی۔ غرض سب سے زیادہ اشتیاق تغلق نامے کا ہے اگر آپ کے پاس ہو تو مطلع فرمائیے۔ کارلائل کی اصل کتاب انگریزی بذریعہ بک پوسٹ آج اس طریقے کے ساتھ روانہ ہوئی ہے۔ کمیٹی جلد فیصلہ کرے ورنہ شاید پھر بھی فرصت نہیں رہنے کی (کرم خوردہ) اگر کہیں نوکری ہوئی تو ترجمے کے لیے شاید پھر میں بمشکل وقت نکال سکوں گا۔ مگر آپ کے شعروں نے بہت مزہ دیا وہ برجستگی تو کہاں مگر اظہار شکریہ اور ضرور ضرور تھا

لہٰذا دو شعر میں بھی عرض کرتا ہوں:۔

بہتر از برج شرف بیت حبیب   از رخش بر روزے ببیں
ہر طرف بزمے نگر وز عقل او   عقل را رونق افروزے ببیں

خاکسار سراپا نیاز

شہباز

ان خطوں میں ادبی ڈسکورس ہے۔ علمی وادبی خبروں کے تبادلے ہیں زندگی کے مسئلے مسائل ہیں، حقیقت حال کا بیان ہے، دل ودماغ کو معطر کرنے والی صحت مند فضا ہے، ادیب وشاعر کی مصروفیات زندگی کی مشکلات ہیں غرض یہ کہ زندگی کے رنگا رنگ پہلو ہیں اور ان کا بیان رنگا رنگ اسلوب میں کیا گیا ہے۔ حفظ مراتب کو ملحوظ رکھتے ہوئے معقول، جملے، فقرے اور الفاظ کے استعمال کی کوشش کی گئی ہے۔ اسلوب میں شگفتگی وشائستگی کا ہر سطح پر خیال رکھا گیا ہے۔ اور پیرایۂ بیان دلچسپ اختیار کیا گیا ہے۔

اردو ''خطوط نگاری'' میں ڈاکٹر سید محمد عبداللہ نے مکتوب کی خوبیوں اور اس کے فن پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے:۔

> ''خط بڑا نازک فن ہے۔ یہ کاریگری بھی ہے اور آئینہ سازی بھی یہ مختصر اور محدود بھی اور وسیع وبے کراں بھی ہے۔ یہ حد سے زیادہ شخصی بھی ہے مگر اس کے باوجود آفاقی اور اجتماعی بھی۔ اس میں دانش بھی ہے اور بینش بھی۔ یہ بہ ظاہر کچھ بھی نہیں مگر اس کا ہر ورق پھر بھی دفتر ہے معرفت کردگار اور معرفت انسان دونوں کا۔ یہ لکھنے والے کے لیے تو محض عرضِ سخن ہے مگر پڑھنے والے کے لیے گنجینۂ فن بھی ہو سکتا ہے۔ غرض خط ایک جہانِ راز ہے جس کے راز اگر سربستہ رہیں تو سینوں کو گہر ہائے معنی کے دفینے بنا دیں اور آشکار ہو جائیں تو جذبے کی ساری دنیا مشک زار بن جائے۔''[14]

شہباز کے خطوط میں یہ تمام خوبیاں بدرجۂ اتم موجود ہیں۔ شہباز کے یہ خطوط اردو نثر نگاری میں ایک پیش بہا اضافہ تصور کیے جائیں گے۔

❊

شعری تخلیقات کا تعارف

عبدالغفور شہباز غیر معمولی ذہن کے انسان تھے۔اللہ نے ان کے اندر فطانت وذہانت اور ذکاوت کوٹ کوٹ کر بھردی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ علمی وادبی ذوق وشوق کا رجحان ان میں کم عمری سے ہی دیکھنے کو ملتا ہے۔والد کی زیرسرپرستی تعلیم کے دوران ہی اس رجحان کو پختہ راہ مل گئی تھی۔مظفر پوراسکول میں داخلہ سے قبل ہی اپنی شاعری اور مضمون نگاری پر اپنے ہم عصروں سے داد پا چکے تھے۔اس عہد کے مشہور ادبی رسائل و جرائد میں اپنی استعداد وصلاحیت کی وجہ سے شائع ہونے لگے اور بہت جلد وہ ایک کامیاب شاعر وادیب بن گئے۔اس کے لیے انھوں نے کسی کی شاگردگی اختیار نہیں کی یعنی کسی کے آگے زانوئے تلمذ تہہ نہیں کیا بلکہ ان کا ملکہ شاعری فطری تھا۔مطالعہ ومشق سخن سے کسب فن کیا اور اپنی شاعرانہ پہچان بنائی۔

انھیں غزل سے زیادہ نظم سے رغبت تھی۔نظیر، حالی اور اکبر سے کافی متاثر تھے۔ان کے شعری اسلوب سے اکتساب فکر کرتے ہوئے اپنی شاعری کی بنیادوں کو استوار کیا۔حالی کی طرح غزل کی بجائے نظم کی طرف توجہ مرکوز کی اور آخر تک نظم کہتے رہے۔جب انھوں نے شاعری شروع کی تھی اردو زبان وادب جدید تشکیلی دور سے گزر رہا تھا شہباز نے وقت کے تقاضے کو پہچانا اور جدید شاعری کی توسیع میں بھرپور حصہ لیا اور اپنی شاعرانہ انفرادیت کی وجہ سے الگ پہچان بنائی۔انھوں نے اصناف سخن کی کم وبیش ہر صنف پر طبع آزمائی۔ان کی غزلوں کی تعداد بھی اچھی خاصی ہے۔گرچہ ان کی غزلیں روایتی انداز کی ہیں ان میں دلکشی اور جاذبیت کا بھی فقدان ہے لیکن انھیں شہرت نظم نگاری نے بخشی۔ان کی مطبوعہ شعری کائنات درج ذیل ہیں۔

1۔رباعیات شہباز 1891ء
2۔خیالات شہباز 1916ء
3۔تفریح القلوب 1942ء
4۔باقیات شہباز 1982ء

رباعیات شہباز

شہباز کے کلام کا پہلا مجموعہ رباعیات کا ہے۔اس سے اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ شہباز اس فن میں دسترس رکھتے تھے۔اس مجموعے میں کل 327 رباعیاں ہیں جو مختلف موضوعات پر مبنی ہیں۔موضوعات کی وسعت شاعر کے کشادگی فکر وذہن کی غماز ہے۔اس میں مذہب، قدرت، اخلاق، تعلیم علوم فنون، تمدن ومعاشرت اور تفنن کے زیرعنوان رباعیاں شامل ہیں۔مذہب کے زیرعنوان 12 رباعیاں ہیں۔قدرت اوراس کے حسن کی کرشمہ سازیوں پر 83 رباعیاں ہیں جن میں مناظر فطرت کی بڑی دلکش تصویر کشی کی ہے۔اسی طرح اخلاقات پر 72، تعلیم وتربیت پر 33، تمدن ومعاشرت پر 22، تفنن کے زیرعنوان 19 رباعیاں ہیں ان میں مزاح وظرافت بھرپور ہے۔اس طرح تمام موضوعات پر یہ کل 327 رباعیاں ہیں۔

یہ مجموعہ 1891ء میں نواب سید محمود آزاد کے دیباچہ کے ساتھ، نواب ڈھاکہ، نواب بہادر سر احسن اللہ مرحوم کے مالی تعاون سے مطبع اردو گائیڈ زیر اہتمام منشی ناظر علی طبع ہوا۔ان رباعیات پر سیر حاصل گفتگو کرتے ہوئے صاحب دیباچہ نگار لکھتے ہیں:

> ''حضرت شہباز کی رباعیوں کی مجموعی قوت، دل نشیں اثر و پرمنفعت دل فریبی اور نتیجہ بخش ایسی نہیں ہے کہ کوئی کوڑھ سے کوڑھ طبیعت بھی ان کی لذت سے محروم رہ سکے اور اس گلشن معنی کی سیر کے بعد اپنے دامن امید کو پھولوں سے خالی پائے۔اس گلستان دانش واخلاق نشاں کے ترتیب دینے، آراستہ بنانے اور رونق بخشنے میں مصنف کے نہایت خوش سلیقہ باغبان طبیعت کو بڑی مشقت، پکے سرلے کی تلاش اور بڑی کاوش ہوتی ہے۔کیونکہ اس میں زیادہ تر رعایت اس کی کی گئی ہے کہ ہرمذاق، ہرخیال، ہرروش اور ہر رنگ کے آدمی کا اس کی گلگشت سے جی بہلے اور ہرمزاج کو اس کی سیر سے تفریح حاصل ہو۔'' 15

اپنے عہد کے لحاظ سے شہباز کا یہ شعری کارنامہ معرکتہ آرا ہے۔جب تک اردو زبان وادب باقی ہے لوگ انھیں ذوق وشوق سے پڑھتے رہیں گے۔

خیالات شہباز

یہ شہباز کی نظموں کا مجموعہ ہے۔اس میں مختلف موضوعات پر چھوٹی بڑی کل 47 نظمیں شامل ہیں۔اس کی تمہید افتخار عالم مارہروی نے لکھی ہے اور شہباز کی صاحب زادی بشریٰ بیگم نے سید عبدالمجید

کے زیر اہتمام نظامی پریس بدایوں سے 1916ء میں شائع کرایا۔اس مجموعے کی ضخامت 44 صفحات ہے۔اس میں حمد ونعت کے علاوہ درج ذیل نظمیں شامل ہیں:

1۔ذر، 2۔مسواک، 3۔سڑک، 4۔چلتی ہوئی بائیسکل، 5۔پانی، 6۔جیبی گھڑی، 7۔قانونی پپیہے، 8۔جھولا، 9۔بچوں کو دودھ پلاتی کتیا، 10۔سنگترے، 11۔آموں کا بچپن، 12۔نوروز کا نیا تحفہ، 13۔بھوک کا جلال، 14۔داڑھی، 15۔مونچھیں، 16۔مستی، 17۔آثار اقبال، 18۔شب قدر، 19۔مرثیہ سرسید احمد خان، 20۔آب رواں، 21۔طائر الفردوس، 22۔ریل، 23۔پان، 24۔مناظرۂ ابرو بحر، 25۔بوسہ، 26۔بہار کی آمد آمد، 27۔عید، 28۔ہنسی، 29۔بازیچہ انگیز خیالات، 30۔حسین ساگر، 31۔قصیدہ، 32۔مہذب عشق، 33۔سعدی، 34۔عزلت منزل، 35۔ایک پاپوش کی سرگذشت، 36۔صبح پیری، 37۔بیسویں صدی کی دوسری سالگرہ، 38۔مناظرۂ الماس وزگال، 39۔نئے بچوں کے دانت کیوں نہیں ہوتے، 40۔آئینۂ تہذیب، 41۔جنت کے جھروکے، 42۔حضرت رمضان کا فوٹو، 43۔نظام دکن کی سالگرہ، 44۔کاغذی آمد و رفت (شروع کے چار عنوانات، تمہید، حمد، توحید، قصیدہ، نعت کو چھوڑ کر)

مختلف النوع عنوانات سے اس بات کا اندازہ کرنا مشکل نہیں ہے کہ شہباز میں تخلیقی صلاحیت بے پناہ ہے۔یکسانیت اور عمومیت کے وہ سخت خلاف ہیں۔جدت اور ندرت کے حامی وطرف دار ہیں۔نظموں کے عنوانات سے تازگی اور نیا پن کا احساس ہوتا ہے۔فکری انفرادیت ہر جگہ زور وشور سے جلوہ گر ہے۔تمام نظمیں فطری اور عصری آگہی کی ترجمان ہیں۔ان میں تمدنی اور معاشرتی تبدیلیوں کی بھرپور عکاسی ملتی ہے۔

اس مجموعہ میں تین بڑی طویل نظمیں ''آموں کا بچپن'' ترکیب بند مرثیہ سرسید احمد خاں اور آئینہ تہذیب ہیں یہ نظمیں ان کی قادر الکلامی زبان دانی اور فن پر دسترس کی بہترین مثال ہیں۔ان کے علاوہ دو انگریزی نظموں کے ترجمے بھی شامل ہیں۔آب رواں اور طائر الفردوس۔یہ ترجمے بہ مقابل اصل ہیں اور ترجمہ کے فن میں ان کی مہارت کا دلنشیں اعتراف ہیں۔یہ مجموعہ ان کی نظم نگاری کی جدت پسندی کا نادر نمونہ ہیں۔

تفریح القلوب

تفریح القلوب شہباز کا تیسرا مجموعہ کلام ہے۔یہ رسائل وجرائد میں شائع نظموں کا مجموعہ ہے۔جیسے نواسہ شہباز ڈاکٹر سید اختر حسین نے اپنے زیر اہتمام ستارۂ ہند پریس کلکتہ سے 1942ء میں شائع کرایا۔

یہ مجموعہ 72 صفحات پر مشتمل ہے۔اس میں کل اکتیس نظمیں شامل ہیں۔اس کا دیباچہ رسالہ مخزن کے ایڈیٹر شیخ عبدالقادر نے تحریر کیا ہے۔

اس مجموعہ میں بچوں اور بچیوں کے لیے آسان زبان میں دلچسپ معلوماتی سبق آموز نظمیں ہیں۔جو بچوں کے ادبی ذوق کے فروغ کے لیے ان کی ذہنی سطح کا لحاظ کرتے ہوئے لکھی گئیں ہیں۔یہ نظمیں ایک قلمی مسودے کی شکل میں بھی موجود تھیں جس پر شہباز کے ہاتھوں سے اس کا نام ''تفریح القلوب'' بھی تحریر ہے۔اس نام کو بے حد پسند کیا گیا۔اس مجموعہ میں درج ذیل نظمیں شامل ہیں۔

1۔شکر نعمت، 2۔مٹھائی کی مناجات، 3۔مسجد جامع اور نماز جمعہ، 4۔دیوان حالی کی رسید، 5۔چڑیا چڑے کی کہانی، 6۔قلم کی تعریف، 7۔پڑھنا، 8۔کھیل، 9۔ہنر مند گڑیا معروف بہ ہندوستانی گڑیا۔10۔ولایتی گڑیا، 11۔سہیلی کا بیاہ، 12۔بھنگا نامہ، 13۔صدائے بہار، 14۔بیسویں صدی کی اَپ ٹو ڈیٹ شہزادی، 15۔مکھی اور چیونٹی، 16۔ابراہیم بن ادھم، 17۔مکڑی اور مکھی، 18۔چرٹ، 19۔بیر، 20۔شکریہ پنیر، 21۔سیاہ مرچ اور لال مرچ، 22۔جلیبی، 23۔شہد کی مکھی، 24۔وفادار کتا، 25۔اضطراب شوق، 26۔خمسۂ چقندی، 27۔رسید شکریہ پنیر 28۔تہنیت عید، 29۔خانصاحب، 30۔ڈکشنری

یہ تمام نظمیں بڑی طرح دار اور موسیقیت سے پر ہیں۔پند ونصائح بھی ہیں اور قادر الکلامی کا بے مثال نمونہ ہیں۔شیخ عبدالقادر نے اپنے دیباچہ میں اس مجموعے پر یوں اظہار خیال کیا ہے:

> ''شہباز کی ان نظموں میں چھوٹے بچوں کی دلچسپی کی بہت سی چیزیں ہیں اور امید ہے کہ چھوٹے بچوں کے لیے۔یہ مجموعہ کارآمد ہوگا اور بڑے بھی اسے شوق سے پڑھیں گے کیونکہ شہباز نے اپنی شاعری کے لیے اپنے زمانے کے اعتبار سے ایک نئی راہ نکالی تھی یا یوں کہیے کہ نظیر کے انداز شاعری کو کسی قدر ثقہ رنگ میں تازہ کیا تھا۔''16

باقیات شہباز

جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے کہ اس میں وہ چیزیں شامل ہیں جو پچھلے مجموعوں میں شامل ہونے سے رہ گئی تھیں۔اس مجموعے کا بیشتر کلام وہ ہے جو رسائل وجرائد میں شائع ہوئے تھے۔اسے فاضل مرتب ڈاکٹر سید صابر حسن جن کا تعلق خانوادہ شہباز سے ہے، بڑی عرق ریزی سے جمع کر کے کتابی صورت میں 1982ء میں شائع کیا۔اس کا دیباچہ پروفیسر وہاب اشرفی نے تحریر کیا ہے۔اس مجموعے کی ادبی قدر وقیمت اپنی جگہ مسلم ہے۔یہ نظمیں اودھ پنچ لکھنؤ، مخزن لاہور، ایلچی پٹنہ، مشیر قیصر لکھنؤ جو اس عہد کے باوقار ادبی رسالے تھے ان میں

شائع ہوئی تھیں۔شہباز اودھ پنچ کے ایک عرصے تک مستقل نامہ نگار بھی رہے تھے۔کچھ کلام شہباز کی پرسنل فائل سے بھی دستیاب ہوئے۔اس طرح تمام بکھری ہوئی چیزوں کو یکجا کر کے ڈاکٹر سید صابر حسن نے کلام شہباز کو ضائع ہونے سے بچالیا۔اس مجموعے کے مشمولات درج ذیل ہیں۔

1۔خدا کی حمد،2۔عروس شاعری،3۔سالگرہ مبارک حضور نظام دکن،4۔زمزمۂ کنیز ستان،5۔حسن وجمال کا عبرت درجلو آل،6۔مناظر دین ودنیا،7۔راحتِ منزل،8۔قران السعدین،9۔سبحہ یاقوت،10۔زمزمۂ زندگی،11۔شب برات،12۔عید سعید،13۔محرم،14۔قانون قسمت،15۔تہذیب قیس،16۔معذرت انگریزی،17۔تقریظ،18۔ایک خوش مذاق رنڈوے کے حکیمانہ خیالات،19۔نئے لارڈ کرزن،20۔چونکانے والا خمسہ،21۔راہ پر لانے والا خمسہ،22۔علمی مذاق کا خمسہ،23۔رائل اسکول پریمر،24۔اپنے منہ میاں مٹھو،25۔درہجو میر علی محمد صاحب شاد،26۔معزیری سانگ،27۔قصیدہ،28۔ردنیچری،29۔ایک بے زبان کی عرضی،30۔جوگی نامہ،31۔تضمیں قصیدہ مولانا حافظ نذیر احمد خاں بہادر دہلی۔

ان کے علاوہ 63 غزلیں جو الف تا ی کی ردیف میں سلسلہ وار ہیں۔4 متفرقات 6 قطعات،4 مفردات ہیں۔شروع کے بارہ صفحات کے علاوہ کتاب کی ضخامت 168 صفحات ہیں۔مرتب رقم طراز ہیں:

> ''شہباز نے ان غزلوں اور نظموں کو یکجا کر کے اپنا دیوان چھاپنا چاہا تھا مگر زندگی کے دوسرے مشاغل نے انھیں فرصت ہی نہیں دی۔''17

آگے فرماتے ہیں:

> ''ان اشعار کے مطالعہ سے شہباز کی رنگا رنگ فطرت،ان کی بذلہ سنجی،ظرافت،اصلاحی رنگ اور فلسفیانہ خیالات واضح ہوتے ہیں۔شہباز کی غزلیں عشق ومحبت کے جذبات کی صحیح عکاسی کرتی ہیں۔''18

موضوعات کی رنگا رنگی سے اس بات کا اندازہ کرنا بالکل مشکل نہیں کہ شہباز کا کینوس بہت وسیع ہے اس کے وژن کی رینج کا دائرہ بہت پھیلا ہوا ہے وہ حساس طبیعت،دور رس نگاہ اور تیز قوت مشاہدہ کے حامل تھے۔ان کی شاعری عصری حسیت سے لبریز ہے۔اس لیے ان میں تازگی اور نادرہ کاری کا احساس ہوتا ہے۔یہ مجموعہ سابقہ مجموعوں کی توسیع ہے اور ان کے قد کی بلندی میں معاون ہوگا۔

❋

نثری تالیفات

عبدالغفور شہباز نے صرف شاعری میں ہی شہرت نہیں پائی بلکہ ان کی نثری نگارشات بھی توجہ کا مرکز رہی ہیں۔شہباز نے اپنی ادبی زندگی کا آغاز مضمون نگاری سے کیا اور یہ مضامین اپنے عہد کے موقر جریدے میں شائع بھی ہوئے جس سے شہباز کو نوعمری میں ہی شہرت اور توجہ دونوں ملی۔شاعری اور مضمون نگاری دونوں شانہ بشانہ چلتی رہی اور شہباز شہرت اور قدر و منزلت کی سیڑھیاں آہستہ آہستہ چڑھتے گیے۔اس طرح انھوں نے اردو نثر میں بھی بڑے وقیع کارنامے انجام دیے۔

کلیات نظیر

ان کا پہلا کارنامہ کلام نظیر کی تحقیق،تصحیح اور تدوین ہے انھوں نے کئی سال کی دقیق محنت ومشقت کے بعد کلام نظیر کو جمع کیا پھر چھان پھٹک کر صنفی ترتیب دی۔غزل،نظم الگ الگ حصے میں جمع کیا اور نہایت سلیقے سے اپنے مبسوط مقدمے (دیباچہ) کے ساتھ بڑی تقطیع میں 1900ء میں منشی نول کشور پریس لکھنؤ سے شائع کرایا۔یہ دو حصوں میں منقسم ہے اس کی مجموعی ضخامت 670 صفحات ہے۔یہ کام بہت مشکل تھا۔اس لیے کہ نظیر جیسا شاعر جو مدتوں گوشہ گمنامی میں پڑا رہا جس کا ذکر تک کرنا ادبی مورخین نے ضروری نہیں سمجھا جس شاعر نے فقیرانہ زندگی گزاری اور کبھی اپنی تخلیقات کی حفاظت کا کوئی اہتمام نہیں کیا۔ایسے شاعر کے کلام وکوائف زندگی کو یکجا کرنا وہ بھی ایسے دور میں جبکہ آج کی طرح تحقیق کے وسائل دستیاب نہیں تھے۔کس قدر محنت طلب کام رہا ہوگا۔کتنی تگ ودو کرنی پڑی ہوگی۔دردر کی خاک چھانی ہوگی۔کوچہ کوچہ پھرے ہوں گے تب جا کر یہ مہم کامیابی سے ہم کنار ہوئی ہوگی۔سائنٹفک طریق کار کو بہ روئے کار لاتے ہوئے انھوں نے حالات زندگی کے ساتھ ماحول ومزاج اور شعری رویے کو بھی جاننے کی کوشش کی اس کام کے لیے پہلے تو نظیر کے بحر کلام میں غوطہ زن ہوئے پھر مختلف شعبہ ہائے زندگی کے لوگوں سے ملے ان کی صحبتوں سے استفادہ کیا اس سلسلے میں شہباز خود لکھتے ہیں:

> ''چونکہ مزاج (نظیر) پر موزونی کے ساتھ مزاح بھی غالب تھی تو خاص اس

پہلوئے طبیعت انسانی کی تحقیق کے لیے اپنے زمانے کے بعض قدیم نمونۂ طباعی و
ظرافت کی بھی مدتوں صحبت رکھی اور ان کے اخلاق و عادات، حرکات وسکنات کا
برسوں دوربینِ تحقیق سے مشاہدہ کیا۔

غرض بقول سعدی:

تمتع ز ہر گوشہ یافتم　　ز ہر خرمنے خوشئہ یافتم

اسے ذاتی لگن اور جستجو کا کارنامہ ہی کہا جاسکتا ہے۔ بلکہ نظیر سے شہباز کا یہ عشق ہی تھا کہ ناممکنات کو ممکن کر دکھایا۔

جن ڈھونڈا تن پائیاں، گہرے پانی پیٹھ

ڈھونڈتے ڈھونڈتے وہ سب ڈھونڈھ لائے جواب تک گوشۂ گمنامی میں پڑا تھا اور نظیر کے ساتھ ہوئی ادبی بد دیانتی کا ازالہ کر دیا۔ اب تک نظیر پر جتنے کلیات شائع ہوئے ہیں اس میں سب سے مستند شہباز کا مرتب کیا ہوا کلیات کو ہی مانا جاتا ہے۔ شہباز نے اس کام کو اس خوبی سے انجام دیا کہ ان کی تحقیق نظیر پر کام کرنے والوں کے لیے بنیاد بن گئی اور بعد کے لوگوں نے اسی بنیاد پر اپنی تحقیق کی عمارت کھڑی کی۔ ان کی اس تحقیقی کاوش کو لوگوں نے بے حد سراہا مخمور اکبرآبادی ''روح نظیر'' کے دیباچہ میں اس کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''شہباز کا مرتبہ کلیات اس وقت کلام نظیر کا بہترین اور مستند مجموعہ ہے۔ لیکن ہمارا تجربہ ہے کہ اس میں غلطیاں موجود ہیں۔ اس سے شہباز مرحوم کی لیاقت یا مساعی پر معاذ اللہ کسی قسم کا اعتراض منظور نہیں صرف اشکالِ صحت پر روشنی ڈالنا مقصود ہے۔''19

''گلزار نظیر'' کے مرتب سلیم جعفری یوں رقم طراز ہیں:

''بہ ظاہر ان نسخوں میں کلیات مرتبہ پروفیسر شہباز کو اہمیت حاصل ہے۔ لیکن تجربہ بتاتا ہے کہ ان کے مرتبہ کلیات اور کلیات مطبوعہ نول کشور 1922ء میں جو فرق ہے اس کے بیشتر حصے کا پتہ کلیات مطبوعہ نول کشور 1883ء سے چلتا ہے۔ ڈاکٹر فلین کی ڈکشنری بھی ایک حد تک اس پر روشنی ڈالتی ہے۔''20

تحقیق جیسے جاں گسل کام میں خطا ہونا اور ٹھوکریں کھانا عین ممکن ہے لیکن اس کام کی اہمیت کم نہیں ہوئی۔ شہباز نے پوری دیانت داری سے کام کیا تحقیق کے عمل میں جس چھان پھٹک کی ضرورت ہوتی ہے وہ بھی اپنی مساعی جمیلہ سے بہتر سے بہتر کیا۔ اس کے باوجود کہیں کہیں سہو ہوا جیسا کہ لوگوں نے

نشاندہی کی اس کے باوجود شہباز کی تحقیقی جانفشانی کا اعتراف بھی کیا۔ اور کیوں نہ ہو شہباز نے بنیاد کا پہلا پتھر جو رکھا ہے۔ اب زمانے تک اس پر تحقیق کا سفر جاری رہے گا۔

خیالات آزاد

شہباز نے اپنے کرم فرما نواب سید محمد آزاد کے ''اودھ پنچ''، لکھنؤ میں شائع چند ظریفانہ اور مزاحیہ مضامین کا انتخاب کر کے اپنے بسیط مقدمے کے ساتھ 1887ء میں قومی پریس لکھنؤ سے شائع کرایا۔ شہباز اس وقت انٹرنس میں تھے اور آزاد سے ان کے گہرے مراسم تھے۔ یہ تمام مضامین ایسے ہیں جن میں آزاد نے معاشرے کی کمزوریوں کو مزاحیہ انداز میں اس طرح اجاگر کیا ہے کہ قاری زیرِ لب تبسم سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

بقول ڈاکٹر محمد اختر الحسن:

''سید محمد آزاد کو ادبی شہرت و مقبولیت بخشنے میں شہباز کا بڑا ہاتھ تھا۔ ورنہ آزاد کا نام بھی بیشتر نامہ نگاروں، مضمون نگاروں اور شاعروں کی طرح ''اودھ پنچ'' کے گورستان میں مدفون ہوتا اور آج ان کو جاننے والا شاید کوئی نہ ہوتا۔''21

اس کتاب کو اس قدر پذیرائی حاصل ہوئی کہ یہ کتاب ہاتھوں ہاتھ نکل گئی اس سے حوصلہ پا کر شہباز نے اس کی دوسری جلد بھی مرتب کر لی مگر خرابیِ صحت کی وجہ سے شائع نہ کرا سکے۔ 1908ء میں جب خیالات آزاد کا نیا ایڈیشن رضوی پریس کلکتہ سے شائع ہوا تو دوسری جلد کا مواد بھی اس میں شامل کر لیا گیا۔ اس کتاب نے آزاد کو شہرت دلانے کے ساتھ ساتھ شہباز کو بھی علمی وقار بخشا۔ اس کتاب پر شہباز کا بسیط مقدمہ شہباز کی نثر نگاری کی خوبیوں کو اجاگر کرتا ہے۔

موعظہ حسنہ

اردو ناول کے بنیاد گذار ڈپٹی نذیر احمد کے صاحبزادے مولوی بشیر الدین احمد سے شہباز کی بڑی دوستی تھی۔ ایک زمانے میں دونوں دوست ایک ساتھ رہتے تھے تو مولوی بشیر الدین احمد کو اپنے والد ڈپٹی نذیر احمد کا جو بھی خط موصول ہوتا تھا اسے وہ شہباز کو دکھاتے تھے۔ چونکہ یہ خط ایک باپ کا بیٹے کے نام ہوتا تھا جو نصیحت آموز باتوں جیسے علم کی اہمیت اس کے حصول کی ترغیب، زندگی میں اس کی افادیت وغیرہ جو تربیت اولاد کے لیے ضروری ہوتی ہیں سے بھرا ہوتا تھا۔ خط کی اس اہمیت کے پیشِ نظر شہباز ان خطوط کو نقل کر لیا کرتے تھے۔ چونکہ یہ عام انسانوں کے لیے بے حد مفید مطلب تھے۔ لہٰذا شہباز نے اس کی

افادیت کے پیش نظر ان خطوط کو ترتیب دے کر 1887ء میں یعنی اپنی طالب علمی کے زمانے میں ہی اسے شائع کرادیا۔اس کے دیباچہ میں انھوں نے نذیر احمد کی مکتوب نگاری اور ان خطوط کی اہمیت وافادیت پر بھر پور روشنی ڈالی ہے۔ساتھ میں ان کی نثر نگاری کی خصوصیات کو بھی اجاگر کیا ہے۔ایک باپ اپنے بچے کی تعلیم و تربیت کی تلقین خطوط کے ذریعے کس طرح کرتا ہے۔اس مجموعے میں ہمیں یہ چیز دیکھنے کو ملتی ہے۔اس کے دیباچہ میں شہباز نے نہایت فصیح اردو اور عربی کی برجستہ فقرے کثرت سے استعمال کیے ہیں یہ شہباز کی سلیس اوراعلیٰ نثر نگاری کا کامیاب نمونہ ہے۔

مقالات جمالیہ

شہباز کو اپنی زندگی میں جن بزرگوں کی شفقت ومحبت حاصل رہی اور جن کی صحبتوں سے انھوں نے فیض اٹھایا ان میں ایک شخصیت ملت اسلامیہ کی عبقری شخصیت سید جمال الدین افغانی کی تھی دوران قیام کلکتہ شہباز نے ان کے سامنے نہ صرف زانوئے تلمذتہ کیا بلکہ ان کی مقناطیسی شخصیت سے کافی متاثر بھی ہوئے۔علم وعرفان کا یہ دریا شہباز کے فکری دھارے کا حصہ بن گیا اور ساری زندگی فیض پہنچاتا رہا۔احترام استاد اور ادائیگی حق کا جیتا جاگتا نمونہ یہ ''مقالات جمالیہ'' ہے۔شہباز نے اپنے استاد محترم کے مضامین و مقالات جو ''معلم شفیق'' حیدرآباد میں دسمبر 1880ء تا اکتوبر 1881ء میں قسط وار شائع ہوئے تھے۔ اور دو خطبات جو انھوں نے کلکتہ کے البرٹ ہال میں بہ عنوان ''تفسیر مفسر'' اور تعلیم وتدریس دیا تھا شہباز نے ان تمام فارسی مقالات وخطبات ومضامین کو ایک مجموعے کی شکل میں مرتب کیا اور اس کا نام ''مقالات جمالیہ'' رکھا اپنے مقدمے کے ساتھ 1881ء میں کلکتہ سے شائع کرایا۔اس میں ان کے درج ذیل مضامین ومقالات وخطبات شامل ہیں:

''فوائد جریدہ، تعلیم وتربیت، اسباب حقیقت وسعادت وشفائے انسانی، فلسفہ وحدت جنسیت واتحاد ولغت فوائد فلسفہ، احوال اگھوریان باشوکت وشان، تفسیر مفسر تعلیم وتدریس۔''

سوانح عمری مولانا آزاد

جیسا کہ عنوان سے ظاہر ہو رہا ہے کہ یہ مولانا سید محمد آزاد کی سوانح عمری ہے۔لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔ بلکہ یہ نواب سید محمد آزاد کا ایک مزاحیہ وطنزیہ ناولٹ ہے جو اودھ پنچ لکھنؤ میں شائع ہوا تھا۔اس میں آزاد نے فرضی کردار کو اپنے نام سے موسوم کر کے اس کی سوانح عمری لکھی ہے جس میں معاشرے کی مختلف خرابیوں اور کمیوں پر مزاحیہ وطنزیہ انداز میں لطیف طنز کے پیرائے میں اصلاح کی ترغیب دی ہے۔اور تہذیب ومعاشرت کی مختلف جہتوں کو شائستگی سے اجاگر کیا ہے۔جو دل ودماغ کو

سوچنے پر مجبور کرتی ہے۔شہباز نے اس ناولٹ کو مرتب کر کے اپنے طویل مقدمے کے ساتھ 1891ء میں صادق پریس عظیم آباد سے شائع کرایا۔اس کتاب کی خوب پذیرائی ہوئی۔شہباز کے مقدمے نے اس میں مزید جان ڈال دی۔اکبرالہ آبادی کو جب یہ کتاب ملی تو انھوں نے وصولی کی رسید کے طور پر شہباز کو جو خط لکھا اس سے مصنف اور مرتب دونوں کے اسلوب نگارش پر روشنی پڑتی ہے۔ملاحظہ کریں:

''حضرت آپ لوگ فصاحت وبلاغت کے بادشاہ ہیں آپ کے مشاغل پر مجھے رشک آتا ہے۔سوانح عمری مولانا آزاد کو متفرق طور پر میں نے کبھی پنچ میں دیکھا ہے۔اس کی بلاغت آمیز ظرافت اور ظرافت آمیز بلاغت درحقیقت بے مثل ہے۔ایک بڑا ہشیار عہدہ دار پولس ایک کھلے ہوئے بدمعاش کا کچا چٹھا کھولنے میں کیوں نہ کامیاب ہوتا۔میں بھی سید محمد خان بہادر سے ملنے کو تڑپتا ہوں، کچھ اتا پتا بتایئے۔راج شاہی کھانے میں ہے، رہنے میں ہے، کہاں ہے، شاید کسی تعطیل میں قصد کروں۔اس مذاق کے بزرگوار عنقا ہیں۔22

نوابی دربار

یہ بھی نواب سید محمد آزاد کا مزاحیہ ڈراما ہے جس کی تاریخی اور ادبی اہمیت کے پیش نظر شہباز نے اورنگ آباد کے دوران قیام مرتب کر کے اپنے بسیط مقدمے کے ساتھ 1901ء میں سیٹھ کندن لال پریس لکھنؤ سے شائع کرایا اپنے مقدمے میں شہباز نے فن ڈراما اور اردو میں ڈراما نگاری کی روایت اور امکانات پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے اور عنوان کتاب ڈراما ''نوابی دربار'' کی فنی خوبیوں اور ادبی معنویت وافادیت کے پیش اسے نظر اردو میں اپنی نوعیت کا پہلا ڈراما قرار دیا۔شہباز کی دوسری کتابوں کی طرح یہ کتاب بھی بہت مقبول ہوئی اور جلد ہی دوسرا ایڈیشن بال کرشن پریس آگرہ نے چھاپا۔

شہباز کی تمام تالیفات کو غیر معمولی مقبولیت حاصل ہوئی۔ان سبھی کتابوں پر لکھے گیے شہباز کے مقدمے نے شہباز کو اردو ادب میں زندہ جاوید کر دیا۔یہ شہباز کی نثر کے عمدہ نمونے ہیں۔جس سے ان کی خلاقی طبع کے ساتھ ساتھ ان کے اعلیٰ تنقیدی شعور کا بھی پتہ چلتا ہے۔شہباز کی رواں دواں نثر میں تقلیدی اور تخلیقی یا اختراعی اسلوب باہم پیوستہ ہو کر ان کی نثر کی شان میں اضافہ کر دیتے ہیں اور قاری پوری محویت اور لطف اندوزی کے ساتھ مطالعہ کا لطف اٹھاتا ہے۔

❋

نثری تصنیف

زندگانیٔ بے نظیر

شہباز کا واحد نثری تصنیفی سرمایہ ہے جس نے نظیر اور شہباز دونوں کو شہرت دوام بخشی۔ شہباز کا یہ کارنامہ کہ اس نے ایک ایسے عوامی شاعر کو جس پر صدیوں کی گرد جمی تھی جسے اہل ادب نے فراموش کر رکھا تھا۔ تذکرہ نگار اور ادبی مورخین انھیں زمرہ شعرا میں شمار کرنا تک ضروری نہیں سمجھا تھا جو عوامی دلوں میں تو زندہ تھا لیکن ادب کی دنیا میں پردۂ گمنامی میں پڑے رہے۔ ان کو اپنی تلاش جستجو اور تحقیقی کاوشوں سے نکھار سنوار کر ادب کی دنیا میں اس طرح لا کھڑا کیا کہ یہ ٹمٹماتا ستارہ سورج کی طرح چمکنے لگا۔

شہباز نے اپنی سوجھ بوجھ، علمی لیاقت، دانش ورانہ فکر اور تحقیق کے سائنٹفک طریقہ کار کی مدد سے ایک ایسے جاں گسل اور ناممکن کام کو ممکن کر دکھایا جس کی ہمت شہباز سے قبل کوئی ناقد و محقق نہیں کر سکا۔ شہباز میں یہ جستجو کب اور کیسے اور کہاں پیدا ہوئی اس کی بابت دیباچہ میں رقم طراز ہیں:

''ایک دن سڑک پر کوئی خوش آواز فقیر نظیر کا کلام (شاید کوڑی نامہ) صدا میں پڑھتا جا رہا تھا، سن کر بے ساختہ ان (پنجابی) کی زبان سے یہ فقرہ نکلا۔ ''اس شخص کا کلام بھی کتنا پاکیزہ ہوتا ہے'' اسی دن سے نظیر کی طرف پھر مکرر بڑے زور سے خیال رجوع ہوا اور آج تک رجوع ہے اسی زمانے میں پھر یہ معمول ہوا، جب کوئی کلام نظیر نظر سے گذرتا شوق سے دیکھتا، توجہ سے اس کے مطالب پر غور کرتا اور دل سے محظوظ ہوتا۔ جس قدر زیادہ اس کا کلام پڑھتا گیا، اس کی عظمت بڑھتی گئی... اور یوں، درجہ بدرجہ نظیر کی مقبولیت (دل میں) ترقی کرتی گئی۔ یہاں تک کہ دو ایک نظمیں بھی میں نے اس کی تقلید میں لکھی مثلاً ''اتفاق نامہ''، ''آئینۂ تہذیب'' جب بتدریج میں نظیر کا حد سے زیادہ معتقد ہوا تو طبیعت اس کے حالات کی جویا ہوئی۔ متداول تذکرے الٹ ڈالے مگر

تفصیل خاطر خواہ ہر جگہ عنقا دوسرا ہوتا تو ہار کر بیٹھ رہتا مگر دل کی لگی بری ہوتی ہے۔ دل اس پر بھی خواہ مخواہ اپنے ارادے پر اڑا رہا کہ نظیر کی سوانح عمری مرتب کیے جائیں اور مفصل مرتب کیے جائیں اور تذکرہ نویسوں کی بدخیالی سے اس ناصح شفیق پر جو ظلم ہوئے وہ مٹائے جائیں اور بزور مٹائے جائیں۔ کسی شاعر ہندی نے کیا خوب کہا ہے:

''جن ڈھونڈا تن پائیاں، گہرے پانی پیٹھ''

تلاش میں بڑی برکت ہے، ڈھونڈتے ڈھونڈتے آخر اتنے حالات ملے کہ خود میرے خیال میں بھی نہ تھے۔ سب سے پہلا کام جو میں نے کیا وہ یہ تھا کہ نظیر کی کلیات (مطبوعہ 1883ء) لکھنؤ سے منگوایا اور نہایت غور سے اس کا مطالعہ کیا۔ ہر نظم سے ایک نتیجہ اس کے حالات زندگی کے متعلق نکالا اور ہر شعر سے اس کے کلام کی خوبی کے وجوہات مستنبط کیے۔ کلیات جو ہاتھ آیا، زمانۂ موجودہ کی نفاست پسندی اور قطع و برید قانونی کی وجہ سے ناتمام تھا۔ مخدوم اکبر حکیم اصغر حسین فرخ آبادی کی عنایت سے مطبع احمدی آگرہ کے نسخے نے اس داغ ناتمامی کو مٹا دیا۔''

شہباز کی اس تحریر سے اندازہ کرنا مشکل نہیں کہ شہباز نے کتنی محنت اور جتن سے اس کام کو انجام دیا۔ یہ لگن دیوانگی کی حد تک عشق کا نتیجہ ہی کہی جا سکتی ہے۔ نظیر کے ساتھ ہوئی ناانصافی نے انھیں جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا اور نظیر کو انصاف دلانے کے لیے انھوں نے سمندر کھنگال ڈالے۔ سچائی کی تلاش میں انھوں نے نظیر کے خویش و اقارب، اور مختلف طبقہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے لوگ جو کلام نظیر کے شیدائی تھے اور جن سے نظیر کے متعلق کچھ بھی معلومات ملنے کی توقع تھی۔ ان سب سے ملے اور کلام و کوائف زندگی کو جستہ جستہ کر کے جمع کیا۔ تحقیقی سفر میں بہت سے ایسے مقام آئے جہاں بے پناہ الجھنیں بھی پیدا ہوئیں مگر شہباز نے حوصلہ نہیں ہارا بلکہ اپنی ژرف نگاہی اور دور بینی سے ان مسائل کا اپنی دانست میں درست نتیجہ ڈھونڈ نکالا اور وہ کارنامے انجام دیئے کہ تحقیق کی دنیا کو ایک نئی زمین فراہم کردی اور ان کا کام تحقیق اور تذکرہ نگاری کی بنیاد بن گئی۔

سب حقیقت کھول دی علم وادب سے سارے راز
ٹکڑے ٹکڑے جس طرح سونے کو کر دیتا ہے گاز

دیکھتے سب رہ گئے ان کی ادائے دلبری
توڑ دی اس نے ادب کی سب طلسم سامری
(جمیل اختر)

شہباز نے تحقیقی طریقہ کار کو بروئے کار لاتے ہوئے ''زندگانی بے نظیر'' کے عنوانات اس طرح قائم کیے جس سے نظیر کی سوانح، اخلاق، عادات واطوار، مذہب تصوف، شاعری غرض شخصیت وشاعری کے تمام گوشے منور ہو جائیں اور عیوب وخوبیاں اجاگر ہو سکیں اور شہباز کے معاملات کے زندگی ومسائل حیات کی کشاکش سے ادب کا قاری پورے طور پر واقف ہو سکے۔ اس سے قبل اس وسیع پس منظر میں نظیر کو دیکھنے اور پرکھنے کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ شہباز نے تیس درج ذیل عنوانات/ابواب کے تحت نظیر کو دیکھنے اور پرکھنے کی کوشش کی جو اس طرح ہیں:

1۔ دیباچہ زندگانی بے نظیر، 2۔ نظیر کی پیدائش، 3۔ نظیر کی تعلیم، 4۔ نظیر کی طفولیت، 5۔ نظیر کے مشاغل لہو ولعب، 6۔ نظیر کی جوانی، 7۔ نظیر کی میلے ٹھیلوں میں شرکت، 8۔ نظیر دہلی سے آگرے جاتا ہے، 9۔ نظیر کی طغولیت، 10۔ نظیر کی پیری، 11۔ نظیر کے اخلاق، 12۔ نظیر کا مذہب اور مذاق تصوف، 13۔ نظیر کا مذاق موسیقی، 14۔ نظیر کے شاگرد، 15۔ انشا نظیر کا تتبع ہے، 16۔ نظیر کی تشبیہ برن سے، 17۔ نظیر اردو کے شیراز کا سعدی، 18۔ اردو کے شعرا میں شیکسپیئر ہونے کی صلاحیت کس میں ہے، 19۔ مضامین کے اعتبار سے نظیر کے کلام کی قسمیں، 20۔ نظیر کی تصانیف، 21۔ نظیر کی شاعری پر عام رائے، 22۔ غزلوں پر رائے، 23۔ رباعیوں پر رائے، 24۔ تصانیف نثر پر رائے، 25۔ نظیر کے صنائع، 26۔ کلام نظیر کے عیوب، 27۔ نظیر کا باغ، 28۔ نظیر کا مٹھائی کا پل، 29۔ نظیر کی عورتیں، 30۔ نظیر کی کتاب الامثال، 31۔ نظیر کی نسبت لوگوں کی رائے۔

عنوانات سے نظیر کی ژرف نگاہی اور درون بینی کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ ایک محقق کی ذمہ داریوں کو انھوں نے جس محنت ولگن سے نبھایا ہے اس کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔ ساتھ ہی ساتھ نظیر کی شاعری پر اظہار خیال میں گہرے ناقدانہ شعور کا استعمال اس طرح کیا ہے جیسے کوئی ماہر ناقد کرتا ہے۔ اس سے ان کی ناقدانہ بصیرت کا بھی پتہ چلتا ہے۔

یہ کتاب 1900ء میں نول کشور پریس لکھنؤ سے تزک واحتشام کے ساتھ شائع ہوئی۔ لیکن پیش لفظ میں شہباز کے ذریعے دی گئی تاریخ کے مطابق یہ کتاب مع پیش لفظ 1892ء میں ہی مکمل ہو چکی تھی۔ آٹھ سال کا عرصہ اس کی طباعت کے انتظام میں لگ گیے۔ اس سے مصنف کی بے بسی اور اس کی مجبوریوں کا بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

اس کتاب کے سرورق پر یہ عبارت درج ہے جس سے بھی اس کی تحقیق وتالیف میں برتے گیے جدید اصول تحقیق کا اندازہ ہوتا ہے۔ اور نظیر کی ذہنی بیداری اور ان کی ادبی بصیرت کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے ملاحظہ فرمائیں:

''زندگانی بے نظیر یعنی سوانح عمری نظیر۔ جس میں نظیر اکبرآبادی کے حالات وخیالات سے انگریزی اصول تذکرہ نویسی پر تفصیلات سے بحث کی گئی ہے۔''23

تحقیقی نکتۂ نگاہ سے یہ تحریر بے حد اہم ہے اس لیے کہ اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن 1981ء میں ترقی اردو بیورو (موجودہ قومی کونسل برائے اردو فروغ زبان) سے شائع ہوا۔ اس کے مرتب اردو کے نامور ادیب پروفیسر سید محمد حسنین ہیں۔ اس کے سرورق پر یہ عبارت درج نہیں ہے۔ دوسرے حسنین نے اس کتاب کے عنوانات کو چھ اسباق میں تقسیم کیا ہے۔ باب اول میں تین عنوانات باب دوم میں چار عنوانات ہیں یہاں نظیر کی تعلیم وتربیت کا عنوان اضافی ہے۔ باب سوم میں پانچ عنوانات، باب چہارم میں آٹھ عنوانات، باب پنجم میں سات عنوانات ہیں۔ نظیر کے لطائف کا عنوان اضافی ہے۔ باب ششم میں چھ عنوانات ہیں۔ اس میں حسنین صاحب نے کوئی مقدمہ نہیں لکھا ہے۔ صرف اس کوئی ترتیب دی ہے۔ پہلا ایڈیشن 432 صفحات پر محیط ہے دوسرا 389 صفحات کا ہے۔ یہ فرق نئی کتابت کی وجہ سے آیا ہے۔ مواد میں کوئی اضافہ نہیں ہے دو اضافی عنوانات جوڑا لے گئے ہیں وہ پہلے ایڈیشن میں بھی ذیلی عنوان کے تحت موجود ہیں جسے سید حسنین نے مرکزی عنوان میں شامل کر دیا ہے یہ تو تھیں چند تحقیقی باتیں جو غلط فہمی کے ازالے کے ضروری تھیں اب اصل کتاب کے بارے میں چند باتیں۔

شہباز کی انگریزی تعلیم اور ترجمے سے ان کی دلچسپی کا ذکر ہم قبل کر چکے ہیں۔ انگریزی ادب سے دلچسپی اور زبان پر مہارت کا یہ عالم تھا کہ بنگال کے قابل ترین انگریزی دانوں میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ انھوں نے انگریزی ادب سے خوب استفادہ کیا تھا۔ اس لیے انھوں نے زندگانی بے نظیر یعنی سوانح عمری نظیر اکبرآبادی

لکھتے وقت مغربی اصول تحقیق کے طریقہ کار کو بروئے کار لاتے ہوئے اس کتاب کی تحقیق و تدوین کی۔ مغربی ادب تحقیق میں فیلڈ ورک یعنی تلاش و جستجو چھان بین اصل تک رسائی کی کوششوں کو کلیدی حیثیت دی جاتی ہے لہٰذا شہباز نے بھی اس اہمیت کے پیش نظر اسی طرح چھان بین کی جس کا تفصیلی تذکرہ میں قبل کر چکا ہوں۔ اس سے یہ اندازہ ہوتا کہ شہباز کے اندر ایک بیدار مغز محقق و ناقد کا گہرا شعور موجود تھا۔ تبھی تو نظیر کے کلام سے استنباط کر کے اس کی شخصیت اور شاعری کے نقوش کو اس طرح اجاگر کر دیا کہ ان کا یہ کارنامہ اردو ادب میں ایک مثال بن گیا۔ ان سے قبل حالی کی ''یادگارِ غالب'' منظر عام پر آ چکی تھی جس میں حالی نے غالب کے عہد کے تہذیبی، تمدنی، سیاسی اور ثقافتی تناظر میں غالب کی شخصیت شاعری اور فکر و فن کے تہذیبی جائزے پر مبنی 'یادگار غالب' لکھی تھی۔ آزاد اور شبلی بھی یہ تجربہ کر چکے تھے۔ لیکن حالی اور شہباز میں فرق یہ ہے کہ غالب گمنام شاعر نہیں تھا۔ نظیر گمنامی کے اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ اور اس گمنام شاعر کے کلام سے اس کے حالات زندگی کا استنباط سوانحی نقوش کی ترتیب کاری کا اختراعی و اجتہادی عمل شہباز کی فکری انفرادیت کا اعلیٰ ترین نمونہ ہی قرار دیا جا سکتا ہے۔ شہباز لکھتے ہیں:

''ہر نظم سے ایک نتیجہ اس کے حالات زندگی کے متعلق نکالا اور ہر شعر سے اس کے کلام کی خوبی کے وجوہات مستنبط کیے۔''

یہ کوئی آسان کام نہیں تھا۔ اردو میں اپنی طرز کا منفرد کام ہے۔ اس اسلوب تحقیق کا یہ کتاب پہلا ماڈل ہے۔ اور بلاشبہ شہباز کی بہترین تحقیقی و تنقیدی تصنیف ہے۔ جو ایک بلند پایہ تحقیقی کارنامہ کہلانے کی مستحق ہے۔ یہ اردو کی بہترین سوانح عمریوں میں شمار کیے جانے کی مستحق ہے۔ اسے ہم مغربی زبان کی بھی اعلیٰ سوانح حیات کے مقابلہ میں پیش کر سکتے ہیں۔ اس کتاب کی وجہ سے نظیر فہمی میں اضافہ ہوا ہے لوگ اس کی قدر و قیمت سے واقف ہوئے ہیں اور شہرت و مقبولیت میں اضافہ ہوا ہے۔ بقول نجیب اشرف ندوی:

''اس میں ہمارا پہلا ہیرو شہباز ہے۔ مولانا عبدالغفور نے نظیر اکبر آبادی کو بے نظیر بنا دیا ورنہ اس بے چارے سے کوئی واقف بھی نہ ہوتا۔''24

شہباز اور نظیر کے درمیان سو سال کا زمانی بعد ہے اس کے باوجود شہباز نے اس کارنامے کو کیسے انجام دیا اس پر پروفیسر سید محمد حسنین یوں تبصرہ کرتے ہیں فرماتے ہیں:۔

''شہباز خیال کی دوربین آنکھوں سے نظیر کے روز و شب میں داخل ہوتے ہیں۔

ان کو دیکھنے اور سمجھنے میں وہ تحقیق اور تنقید ہر دو سے خاطر خواہ مصرف لیتے ہیں۔ ان کی یہ محنت داد سے بالا ہے کہ وہ زمان و مکان کی حدیں توڑ کر نظیر کے ماہ و سال اور ان کی دنیائے رامش و رنگ میں اطمینان اور ایسی بے تکلفی سے گھومتے پھرتے نظر آتے ہیں جیسے یکے از آشنائے نظیر ہوں۔ پر لطف بات ہے کہ 'زندگانی بے نظیر' میں شاعر کی جو تصویر اور حالات زندگی کی جیسی تفصیلات قاری کے سامنے لائی جاتی ہیں، یہ مصنف کی بصارت سے تعلق نہیں رکھتیں بلکہ ان کے تخیل کی بلند پروازی کا نتیجہ ہیں۔ پیش کردہ بیشتر باتیں خیالی ہیں لیکن اس تصویر اور تفصیلات پر صداقت نثار ہوتی ہے، نظیر کی زندگی کی کسی منزل یا موڑ پر نظر ڈالیے، ہر نقشہ اور ہر منظر کی شہادت کو کلام شاعر موجود ہے، انکار یا اشتباہ کا گذر کہاں؟''25

شہباز کی تحقیقی دروں بینی کے سید محمد حسنین بھی قائل ہیں۔ اس لیے کہ شہباز نے اپنی باتوں کی شہادت کلام نظیر سے اس طرح پیش کی ہے کہ انکار یا اشتباہ کا گذر کہاں۔ شہباز نے نظیر کے حالات زندگی کی جو تفصیلی تصویر پیش کی ہے وہ بصری نہیں بلکہ تخیلی ہے اور شہباز کی تخیل کی بلند پروازی کا اعلیٰ نمونہ ہے اس لیے شہباز کی یہ کاوش بے مثال اور اساسی قرار پائی۔ لوگ نظیر کی صحیح قدر و قیمت سے واقف ہوئے اور نظیر کی شہرت و مقبولیت میں اضافہ ہوا ہے۔ بقول سلیم جعفر:

''قدیم تذکرہ نویسوں کی ستم ظریفی کی تلافی مولوی محمد عبدالغفور شہباز مرحوم پروفیسر اورنگ آباد کالج کی ژرف نگاہی نے اس معتوب خلائق شاعر کی بسیط سوانح عمری لکھ کر کر دی...... اور جو کچھ لکھا جا چکا ہے اس کا مجملاً اعادہ انسب نظر آتا ہے جن اصحاب کا ذوق معلومات اس کا مجمل سے تشفی یاب نہ ہو وہ 'زندگانی بے نظیر' کے مطالعہ سے جویائے تسکین ہو سکتے ہیں۔''26

اسی بات کو مزید اضافے کے ساتھ ڈاکٹر غلام یزدانی یوں بیان کرتے ہیں:

''جو اعتراض بعض تذکرہ نویسوں اور قدردانان سخن کو نظیر کے کلام کی نسبت تھے ان کو شرح و بسط سے بیان کیا ہے اور ایک حد تک شافی جواب بھی دیا ہے۔''

اس کتاب کی اشاعت کے بعد ہی لوگوں کو اپنی غلطیوں اور کوتاہ بینیوں کا احساس ہوا۔ شہباز کا کمال یہ

ہے کہ ایک گمنام اور معتوب شاعر کو منظر عام پر ہی نہیں لائے بلکہ اس کی قادرالکلامی کا لوہا لوگوں سے منوایا اور نظیر کے حقیقی کمال شعری کے وصف کا کھلے دل سے اعتراف کیا۔شہباز نے اپنی تصنیف میں نظیر کو وسیع تر کینوس کا پہلا اردو شاعر قرار دیا جو شہباز کی تحقیقی وتنقیدی بصیرت کی کھلی دلیل ہے۔اس لیے پروفیسر وہاب اشرفی کو اعتراف کرنا پڑا کہ:

> ''آج اردو میں تحقیق نے کتنے ہی ہفت خواں طے کیے ہیں لیکن نظیر کا ہر نیا محقق، شہباز کی بچھائی ہوئی اینٹوں پر اپنی عمارت تعمیر کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔ دراصل شہباز نے نظیر کی تفہیم میں ایسی جست لگائی ہے جہاں سے تحقیقی لحاظ سے آگے نکلنا دشوار معلوم ہوتا ہے۔ ہاں کلامِ نظیر میں نئے مفاہیم تلاش کیے جاتے رہے ہیں اور کیے جائیں گے لیکن احوال وآثار کے نئے باب تو تقریباً بند ہو چکے ہیں۔اس لیے شہباز کی تحقیق وجستجو کی اہمیت کلیدی اور اساسی رہے گی۔27

پروفیسر وہاب اشرفی صاحب کا تجزیہ بالکل درست ہے۔شہباز کی کتاب کو شائع ہوئے 120 سال ہو گیے اس عرصے میں ادب کی دنیا میں بڑے انقلابات آئے۔ بڑی تحقیق ہوئی اور بہت سی نئی دریافت سامنے آئیں۔لیکن ان 120 سالوں میں نظیر پر کوئی ایسی کتاب نہیں آسکی جو شہباز کی تحقیقی بنیادوں میں نئی اینٹ کا اضافہ کر سکے بلکہ محققوں اور ناقدوں نے حرارت وروشنی شہباز سے ہی حاصل کی۔ یہ کتاب آج بھی اتنی ہی اہمیت کی حامل ہے جتنی آج سے 120 سال پہلے تھی۔یعنی شہباز کی تحقیق وجستجو کی اہمیت کلیدی اور اساسی ہی رہے گی۔نفس مضمون کے اعتبار سے تو یہ ایک غیر فانی تصنیف ہے ہی زبان کے لحاظ سے بھی یہ شہباز کا بہترین کارنامہ ہے۔اردو ادب میں یہ ایک ایسی بے نظیر تصنیف ہے جس نے نظیر اور شہباز دونوں کو زندہ جاوید بنا دیا۔

انتخاب کلام

خدا کی حمد

(ٹھیٹ ہندی میں)

وہ ہے اک اپ روپ آپ آنے والا — کروڑوں روپ پھر دکھلانے والا
اسی کی 'ہاں' سے جگ جی اٹھنے والا — اسی کی جی سے جی جی جانے والا
جو ہو کچھ اور چھور اس کا تو سمجھو — وہ ہے ہر ایک کو چکرانے والا
اسی کے جی سے نو جی اور دس بدھ — وہی نو دس یہ ہے گنوانے والا
اسی سے تت اسی سے کال کا جال — وہی سب جال ہے پھیلانے والا
وہی آکاس کو آکاس بانی — دَیا سے اپنی ہے سکھلانے والا
وہی آکاس پر آکاس گنگا — ہے جل سے جوت کے چھلکانے والا
جلاتا ہے وہی سورج کا دیپک — وہی ہے ہر دیا اکسانے والا
اسی سے ہے یہ امبر جگمگی چھت — سُرگ کو ہے وہی چمکانے والا
وہی آکاس اگن گولے کے منہ سے — چھتوں پر آگ ہے برسانے والا
اسی سے سب گگن کے ہیں یہ تارے — وہی ہے بجلیاں تڑپانے والا
یہ گلیوں گلیوں پتّے کا بچھونا — وہی ہے گھانس سے بچھوانے والا
اسی سے ہیں سمندر میں یہ لہریں — وہی پانی کو ہے لہرانے والا
اسی نے بھر دیئے ہیں سارے جل تھل — سمندر ہے وہی چھلکانے والا
وہی آکاس میں چھوٹے رووں کو — انوکھے ڈھب سے ہے لڑوانے والا

وہی اس ڈھنگ سے پانچوں تتوں کو　　لڑا کر ہے گلے ملوانے والا
اسی سے ہے اندھیرا اور اجالا　　وہی دونوں کا ہے جھمکانے والا
کہیں پھیلانے والا رات کا ہے　　کہیں ہے دن وہ کر دکھلانے والا
نچا کر پُتلیاں آنکھوں کے گھر میں　　ہے لیلا اک نئی دکھلانے والا
بنا کر سونگھنے کو ناک منہ پر　　نرالی باس ہے پھیلانے والا
کھلا کر باد سے ہونٹوں کی کلیاں　　ہے چڑیا جیب کی چہکانے والا
سہانی سی بٹھا کانوں میں چوکی　　ٹکوریں موہنی سنوانے والا
لگا کر پاؤں میں پھرتی کے پہیئے　　سمندر تک رتھیں دوڑانے والا
چھپا ہے آپ اپنی آڑ میں وہ　　ہے آپ ہی ڈھونڈنے ڈھونڈوانے والا

نہ بیٹھو تھک کے ڈھونڈے جاؤ شہبازؔ
جو پاتا ہے تو یوں ہی پانے والا

قلم کی تعریف

صد آفریں قلم کو جس نے کتاب لکھی　　فصلوں کے باب باندھے تفصیل باب لکھی
اجسام بندگی میں روح ثواب پھونکی　　اقلیم معصیت میں رسم عذاب لکھی
لکھی مبالغے سے گہہ بزم و رزم رستم　　گہہ رزم و بزم پور افرا سیاب لکھی
اس طور پر کہ پڑھ کر ہوں شیخ و شاب راضی　　پیری کی ہجو لکھی مدح شباب لکھی
تصویر آدمی کی تقریر آدمی کی　　گاہے بہ دیر لکھی، گاہے شتاب لکھی
وقت حجاب دوری کاغذ اٹھا کے چھٹی　　لکھی گئی ابتداً، گہہ در جواب لکھی
حاصل جو کی عرب میں تائید ابن سیریں　　اعجاز یوسفی سے تعبیر خواب لکھی
آلات موسیقی کا جس وقت راگ چھیڑا　　کھونٹی پہ تانت باندھی، شکل رباب لکھی
کی ضبط پر متانت، تقریر صوفیانہ　　تحریر عاشقانہ پر اضطراب لکھی
لکھی سرور مغ کو آباد بھٹی بھٹی　　عبرت کو زاہدوں کو مسجد خراب لکھی
رندان عاقبت بیں کی خوشدلی کی خاطر　　کوثر کے حاشئے پر مدح شراب لکھی
بڑھتی رہے ہمیشہ تادرد دل کی وقعت　　مدح دل برشتہ روئے کباب لکھی
لکھوائی دیس نے جب تصنیف جلدی جلدی　　کچھ کامیاب اکثر ناکامیاب لکھی
ہستی کی کی جو ثابت دنیا کی بے ثباتی　　اوراق زندگی پر موج سراب لکھی
گھستی جبیں جہاں ہے جا کر شہنشہی بھی　　اللہ کی کچھ ایسی اونچی جناب لکھی
خندہ ہو اس جہاں کا گریے سے تا میسر　　تصویر حوض و کوثر چشم پر آب لکھی

کی شاہد حقیقی کی نقش جب کہ صورت   نور ازل کے منھ پر زیبا نقاب لکھی
کچھ انبیا سے سن کر کچھ اولیا سے پڑھ کر   جتنی دعا کہ لکھی سب مستجاب لکھی
پھیلا کے مدرسے میں اک دفتر طبیعت   تحقیق برف و آب و برف و سحاب لکھی
عالم کا نقش کر کے اک زر نگار خیمہ   کیا قوت کشش کی محکم طناب لکھی
لکھ کر مکاں زماں کی کوئی نہ حد بتائی   لکھا حساب بے حد، حد بے حساب لکھی
تصویر خوش خرامی رخش فلک کی کھینچی   رخشندہ مہرومہہ کی زریں رکاب لکھی
ادیان مختلف کے پھیلے جو دیکھے جھگڑے   مصداق قول فیصل، فصل الخطاب لکھی
مخزن میں ادویہ کے بن کر حکیم لقمان   وصف گلاب لکھا، مدح سراب لکھی
اشعار بھر دیئے گہہ دیواں میں رطب ویاس   ہر نظم گہہ بیاضوں میں انتخاب لکھی
شہباز سے منگا کر شب کو دوات کاغذ   آپ اپنی مدح مکمل اور لاجواب لکھی

پڑھنا

ہنر کی راہ میں بڑھو
خرد کے بام پر چڑھو
بڑھو، بڑھو، بڑھو، بڑھو

لگاؤ علم و فن سے لَو
ہے جس میں مہرومہ کی ضو
کتابیں یاں ہیں نو بنو
پڑھو، پڑھو، پڑھو، پڑھو

جلاؤ علم کا دیا
کہ کرتے کی ہے بدّیا
پڑھو، پڑھو، پڑھو، پڑھو

ہے زنگ دل میں جو لگا
ہنر ہے اس کا مصقلا
جو چاہو دل میں ہو جلا
پڑھو، پڑھو، بڑھو، بڑھو

نکالو کانِ طبع سے
نگینے خوب جگمگے
پڑھو، پڑھو، پڑھو، پڑھو

جمالِ حور اسی میں ہے
جناں، قصور اسی میں ہے
خوشی سرور اسی میں ہے

پڑھو، پڑھو، پڑھو، پڑھو

کتاب ہے عجیب شے
یہی دلاتی ہے روپے

پڑھو، پڑھو، پڑھو، پڑھو

کتاب نوکری دلائے
یہی خوشی کی لے پلائے
یہی خدا سے بھی ملائے

پڑھو، پڑھو، پڑھو، پڑھو

جو کھولو تم کتاب کو
تو بیٹھے بیٹھے سیر ہو

پڑھو، پڑھو، پڑھو، پڑھو

کتاب طرفہ ریل ہے
سیاحت اس میں کھیل ہے
خوشی بھی ریل پیل ہے

پڑھو، پڑھو، پڑھو، پڑھو

کتاب جس کا یار ہے
اسی کا بیڑا پار ہے

پڑھو، پڑھو، پڑھو، پڑھو

یہی ہے دوست با صفا
یہی ہے یار با وفا
یہی ہے درد کی دوا

پڑھو، پڑھو، پڑھو، پڑھو

***

حسن وجمال کاعبرت درجلورمال

ابتدائے عہدِ آدم سے زبان حال تک
کتنے ہو گزرے ہیں دنیا میں خدا جانے حسیں
سروقد گل پیرہن غنچہ دہن نرگس نگاہ
شام سو مریخ ابرو صبح رو۔ زہرہ جبیں
ڈھالتے تھے جو خمار آلود آنکھوں سے شراب
بانٹتے تھے جو لب میگوں سے شہد و انگبیں
جس کے ہنس پڑنے سے ہنس پڑتے تھے گالوں پر گلال
جن کی باتوں سے کھلی رہتی تھی منہ پر یاسمیں
دیکھتے تھے تو دکھا دیتے تھے دو نرگس کے پھول
غمزہ فرماتے تو دکھلاتے تھے ترک اور تیغ کیں
تیر سے غمزے کے ہو جاتی تھی چھلنی ہر سپر
تیغ سے ابرو کے ہو جاتی تھی سرسر سر زمیں
رام ہو جاتے تھے آنکھیں دیکھ کر وحشی غزال
دام میں آتے تھے مشکیں زلف کے آہوئے چیں
سروقد کے زیر سایہ سرو زار غاتفر
خاتم لب کی بدخشاں تا یمن زیرِ نگیں
ڈالتے تھے جو دلوں میں چل کے ہل چل چال سے
بیٹھ کر کرتے تھے جو خوبی کے پہلو دل نشیں
مسکرا کر حسن کی خاتم پر چمکاتے تھے لعل

ہنس کے جڑتے تھے خوشی کے لعل پر درِّ ثمیں
اے زمانے خوش تبسم اب وہ لڑیاں کیا ہوئیں
دُرجِ خاکی میں بھی جو ملتیں نہیں ڈھونڈے کہیں
باغ میں یوں تو کھلے ہیں سیکڑوں نرگس کے پھول
حسن والوں کی وہ لیکن نرگسی آنکھیں نہیں
قدرت اور صنعت کے تھے دو دو خزانے سب کے پاس
کر دیئے تونے خزانے دفن کیا زیرِ زمیں؟
ہوگیا کیوں کر کہاں وہ چاند ماتھے کا غروب
چرخ پر تو اب تک ہے جلوہ گر ماہِ مبیں
شانِ لب سے کیا ہوا شکر نشانی کا وہ شہد؟
آج تک شانِ عسل میں ہے وہی شہد انگبیں
چند تصویریں ہیں باقی وہ بھی بے رونق اداس
ناک غائب بیچ سے ٹھڈی پچی میلی جبیں
بعض ایسی بھی ہیں جن کا رنگ روغن ہے بحال
ہاتھ پاؤں ان کے درست اور ٹھیک دامن آستیں
ناک پر بیٹھی ہے مکھی پر اڑائیں کس طرح؟
ناک میں کچھ حس نہ جنبش شل ہیں دستِ نازنیں
گو دیا تھا عقل نے شیشے کے پنجرے میں بٹھا
رنگ اڑا جاتا ہے کھولے اپنے بازو کے تئیں
دھات کی کچھ مورتیں ہیں سو ہے ان کا بھی یہ حال
بیٹ سے چیلوں کے ہے کافور مشکِ سنبلیں
ہے تمازت کے اثر سے چہرۂ رنگیں۔ سیاہ
ہے غبارِ راہ سے بے نور چشمِ سرمگیں

سر پہ کلغی کی جگہ ہے چیل کوؤں کا ہجوم
ہے مگس کی نغمہ کی جا گوش رغبت میں طنیں
کچھ ہیں سنگیں مورتیں جن پر ہیں یہ پتھر پڑے
ہڈیاں ہیں بت شکن ضربوں نے رکھ کر توڑ دیں
ہاتھ ہے بازو سے اکھڑا ٹانگ کولہے سے الگ
ناک بیٹھی کان غائب چور آنکھوں کی نگیں
ان میں ایسے بھی ہیں کچھ جن کے ہیں سالم ہاتھ پاؤں
اور اعضا سے بدن پر بھی کوئی صدمہ نہیں
ساتھ اس کے بھی ہے کیا اس سلب یاقوت کا علاج؟
ہل نہیں سکتیں وہ ٹانگیں جو کبھی تھیں دوڑتیں
نقل ہے نخاس میں کل کہہ رہا تھا اک ظریف
پاس میرے ہے وہ گھوڑا جس سے پائے زیب زیں
خم سے گردن کے ہے لقا سر کی سج دھج سے مُکھی
دم سے ہے طاؤس جنت چشم سے آہوئے چیں
اس قدر تیار پُٹھے پر سے پھسلیں مکھیاں
ٹاپ سے پتھر ہو چونا اس قدر سم آتشیں
ریشمیں جھالر سی پائی ہے سرو گردن نے زیب
جسم کو گرما رہا ہے سر سے پا تک پوستیں
ہاتھ پاؤں اس کے سڈول اور خوش نما ہیں جوڑ بند
ہیں سراپا خوبیاں ہی خوبیاں اس میں بھریں
عیب بھی ہے ایک اس میں پر نہیں کچھ ایسا عیب
جس سے ہو زاید حرج جاں صرف قالب میں نہیں
صورتیں گو کیسی ہی زیبا ہوں گر بے جان ہیں

اس سے تسکیں پا نہیں سکتی کوئی جانِ حزیں
مورتیں ہوں یا کہ تصویریں ہوں ہیں سب چند روز
کچھ اڑا دے گا فلک اور کچھ لٹا دے گی زمیں
بے ستوں پر ہیں کہاں وہ مورتیں فرہاد کی؟
ہے کہاں ارتنگ مانی ہے کدھر اثر رنگ چیں؟
خوب لکھی آپ نے شہبازؔ یہ نظم بلند
مرحبا صد آفریں صد آفریں صد آفریں

(باقیاتِ شہبازؔ)

عیدِ سعید

جا رہے خانۂ کعبہ کو ہیں خوش خوش رمضاں
آ رہی عید ہے مے خانے کو خنداں خنداں
عید کہتی ہے کہ کعبے کو تو اے شیخ نہ جا
سنگِ اسود بھی ہے بت کر لے یہیں طوفِ بتاں
آبِ زمزم کی ہے گر چاہ تو یاں بھی ہیں بہت
کھا ری لذت کے کنوے شور مزہ باؤلیاں
دل کو رغبت ہے گر اونٹوں کے شتر غمزوں سے
تو یہاں بھی ہے یہ مخلوق بہت غمزہ کناں
اور منظور نظر گر ہے گدھے پر چڑھنا
قحط کچھ ان کا نہیں یاں بھی ہیں گدھے ارزاں
سنتے ہی اس کے ہوئے آپے سے باہر حضرت
ایسی باتوں کی بھلا تاب بزرگوں کو کہاں
دوڑے حملے کے لیے ہاتھ میں لاٹھی لے کر
منہ پہ کف ان کے ادھر سب کی زباں پر ہاں ہاں
ہٹ گئی عید مگر پھرتی سے خالی دے کر
منہ کے بل آتے رہے دھم سے زمیں پر رمضاں
ایسے بے طور کے پھر ضبط کا یارانہ رہا
ہنس پڑیں دیکھ کے خود حضرتِ سلطانِ جہاں

جب کہ سرکار ہنسیں، پھر تو ہنسی عام ہوئی
عام اتنی کہ کواکب نے دکھائے دنداں
ہے شفق چرخ کے عارض پہ ہنسی کی سرخی
ہے مہ نو پہ بھی ہوتا لبِ خنداں کا گماں
شام ہی کے نہ فقط دانت ہیں نکلے پڑتے
صبح کے منہ پر بھی آثار خوشی کے ہیں عیاں
فرش پر سبزے کے شبنم بھی ہے لوٹی جاتی
ہنستے ہیں زور سے گل، ہیں متبسم کلیاں
ہنس رہے شاخ پر ہیں فرط مسرت سے انار
زعفراں زار ہے کشمیر کا، ہر نخل جواں
قہقہے میں نہیں کچھ صرف صراحی مصروف
جام لب ریز بھی ہیں با لبِ میگوں خنداں
کیا تعجب ہے کہ دے داد ہنسی خود آکر
خوب شہبازؔ نے باندھا ہے خوشی کا یہ سماں

(باقیاتِ شہباز)

آئینۂ تہذیب

کچھ کچھ قویٰ سے کام لے، بے کار مت با کار رہ
بے کار رہنا ہے برا، اس کام سے بیزار رہ
ہر فعل کی اصلاح کر، ہر لحظہ خوش کردار رہ
آنکھیں کھلی رکھ ہر گھڑی، سونے میں بھی بیدار رہ
تہذیب کا یہ دور ہے، اس مئے سے تو سرشار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ، مستی میں بھی ہشیار رہ

تعلیم کی خرّاد پر اس قلب ناداں کو چڑھا
علمی ہملٹن سے کوئی اخلاق کا زیور گڑھا
پڑھ کر جو تو فارغ ہوا بچوں کو بھی اپنے پڑھا
شغلِ کتب بینی بھی رکھ اور قابلیت کو بڑھا
تہذیب کا یہ دور ہے، اس مئے سے تو سرشار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ، مستی میں بھی ہشیار رہ

مت لے خطاب اس عہد میں اپنے لیے نادان کا
جوہر سے استعداد کے پُر ہے خزینہ جان کا
تعلیم کی گر ہو مدد جوہر یہ ہو اک شان کا
تعلیم ہی حکّاک ہے اس جوہرِ انسان کا
تہذیب کا یہ دور ہے، اس مئے سے تو سرشار رہ

ہشیاریوں میں مست رہ، مستی میں بھی ہشیار رہ

گر کاوشِ تعلیم ہو جوہر یہ نکلے کان سے
تہذیب کے آئین سے ترشے تو چمکے شان سے
گر آدمی حیوان ہو، انسان ہو حیوان سے
انسان ہی پھر کیوں رہے، ہو وہ ملک انسان سے

تہذیب کا یہ دور ہے، اس مئے سے تو سرشار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ، مستی میں بھی ہشیار رہ

گر کوٹ ہی ڈانٹا تو کیا، پتلون ہی پہنا تو کیا؟
طربوش ہی اوڑھی تو کیا، لٹکا ہی گر پھندنا تو کیا؟
عینک لگائی اور نہیں گر دیدۂ بینا تو کیا؟
سب کچھ ہو اپنا اور نہیں گر علم ہی اپنا تو کیا؟

تہذیب کا یہ دور ہے، اس مئے سے تو سرشار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ، مستی میں بھی ہشیار رہ

رکھ ٹیڑھے ڈنڈے کو الگ ہوتا ہے اس ڈنڈے سے کیا
دعوے کے جھنڈے کو اٹھا ہوتا ہے اس جھنڈے سے کیا
ٹھنڈے میں گر بیٹھا ہے تو، ہوتا ہے اس ٹھنڈے سے کیا
بے علم گر مسنڈا ہوا، ہوتا ہے اس مسنڈے سے کیا

تہذیب کا یہ دور ہے، اس مئے سے تو سرشار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ، مستی میں بھی ہشیار رہ

یوں ہو کہ تو چپ رہے اور لوگ ہوں رطب اللساں
شرینئ توصیف سے ہوں سب کے سب عذب البیاں
علم وفنوں کے ملک میں ہو صاحبِ نام ونشاں

تحقیق کی سرکار میں حاصل تجھے ہو عز وشاں

تہذیب کا یہ دور ہے، اس مئے سے تو سرشار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ، مستی میں بھی ہشیار رہ

شوکت اُور کوٹوں کی کیا، گر علم کی شوکت نہیں
ہوتی گدھے کی کھال سے ضیغم کی وہ معیت نہیں
ظاہر کی سعادت ہیچ ہے گر باطنی سطوت نہیں
سلطانِ تھیئٹر میں بہت سلطاں کی وہ وقعت نہیں

تہذیب کا یہ دور ہے، اس مئے سے تو سرشار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ، مستی میں بھی ہشیار رہ

ہے گر سلیپر چار کا، یادس گنی کا بوٹ ہے
بیور کا سر پہ ہیٹ ہے، یا بر میں بھاری سوٹ ہے
محروم ہے گر علم سے تو ساری شیخی جھوٹ ہے
تو ڈینگ کی رجمنٹ کا بے تربیت رنگروٹ ہے

تہذیب کا یہ دور ہے، اس مئے سے تو سرشار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ، مستی میں بھی ہشیار رہ

ہیں دُختِ زر میں مستیاں، اس مست کو منہ مت لگا
جتنے ہیں اربابِ نشاط، ان کو تو مجلس سے بھگا
ٹھگ لیتے ہیں یہ نقد دل، ہے سینکڑوں ہی کو ٹھگا
مت عشق کی غفلت میں پڑ، ہشیار ہو دل کو جگا

تہذیب کا یہ دور ہے، اس مئے سے تو سرشار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ، مستی میں بھی ہشیار رہ

پی کر شرابِ بدطعم کیوں عقل یوں کھوتا ہے تو
کیوں اپنے دل کی لوح سے حرفِ خود دھوتا ہے تو
شا کی جگر کا ہے کبھی، آنکھوں کو گہہ روتا ہے تو

کانٹے پھر اپنی راہ میں یوں کس لیے بوتا ہے تو
تہذیب کا یہ دور ہے، اس مئے سے تو سرشار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ، مستی میں بھی ہشیار رہ
کہتے ہیں سب اس کو شراب، اس آبِ شر سے دور رہ
ہو جس بشر کے پاس یہ تو اس بشر سے دور رہ
شارب ہو گر لختِ جگر، لختِ جگر سے دور رہ
آنکھوں پہ رکھ لے ٹھیکری نورِ نظر سے دور رہ
تہذیب کا یہ دور ہے، اس مئے سے تو سرشار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ، مستی میں بھی ہشیار رہ
شیشے کے ہر ٹکڑے کو تو زخمِ جگر کا گھر سمجھ
گو مئے میں ہو کچھ خیر بھی، تو اس کو یکسر شر سمجھ
امید کا مت نام لے، ڈرتا رہ اس کو ڈر سمجھ
گھنٹوں ہی پھر الٹی رہے، گو تیز ہو دم بھر سمجھ
تہذیب کا یہ دور ہے، اس مئے سے تو سرشار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ، مستی میں بھی ہشیار رہ
ہے میم کا سایہ برا، رہ اس بڑھے جن سے بچا
جس ناچ پر بھولا ہے تو، اک دن وہ چھوڑے گا نچا
ہندوستانی بیوی لا اور عیش کی دھومیں مچا
سکھلا سلیقہ اور ہنر اور عمر بھر شادی رچا
تہذیب کا یہ دور ہے، اس مئے سے تو سرشار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ، مستی میں بھی ہشیار رہ
اہلِ فرنگ اہلیہ کو کہتے ہیں نصفِ خوب تر
گر علم کی زینت نہیں، تو ہے وہی معیوب تر
تو علم کی ترغیب سے ان، کو بنا مرغوب تر

اخلاق کے زیور پنھا، ہو جائیں جو محبوب تر
تہذیب کا یہ دور ہے، اس مئے سے تو سرشار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ، مستی میں بھی ہشیار رہ
تعلیمِ نسواں پر اگر ہمت تری مائل رہے
پردہ جہالت کا سدا کیوں اس طرح مائل رہے
گردِ کدورت علم کا صیقل سے گر زائل رہے
ان عورتوں کے قلب کی ہر میم بھی قائل رہے
تہذیب کا یہ دور ہے، اس مئے سے تو سرشار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ، مستی میں بھی ہشیار رہ
جب لطف ہے پھیلا ہوا چولہے کے پاس اخبار ہو
چھلتی ہو ترکاری جہاں واں علم کی تکرار ہو
سینا پرونا ہو جہاں واں عقل کا اظہار ہو
ہر جا کتابوں کا لگا خلوت میں اک انبار ہو
تہذیب کا یہ دور ہے، اس مئے سے تو سرشار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ، مستی میں بھی ہشیار رہ
عقلِ فرنگ اچھی سہی، حسنِ فرنگ اچھا نہیں
گر شاذ و نادر یہ بھی ہو، عفت کا ڈھنگ اچھا نہیں
ہیں سب رنگے اک رنگ میں میموں کا رنگ اچھا نہیں
ان کے کشادہ خرچ سے ہو حال تنگ اچھا نہیں
تہذیب کا یہ دور ہے، اس مئے سے تو سرشار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ، مستی میں بھی ہشیار رہ
جس وقت دل میں بال کا شوق آن کر لہرائے گا
تو دیکھ کر بیکر کا بل دل میں بہت گھبرائے گا
سرکار سے گو سینکڑوں تنخواہ میں تو پائے گا

تنخواہ تیری جزو وکل اک گون ہی کھا جائے گا
تہذیب کا یہ دور ہے، اس مئے سے تو سرشار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ، مستی میں بھی ہشیار رہ

رہنے کو ان کے چاہیے کوٹھی عجائب شان کی
ہو آسمانِ اوّلیں جس کے زمیں ایوان کی
سامانِ آرائش بھی ہو، افراط ہو سامان کی
ہو خانساماں لاتعد، گنتی نہ ہو دربان کی
تہذیب کا یہ دور ہے، اس مئے سے تو سرشار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ، مستی میں بھی ہشیار رہ

پینے کو ان کے شامپئین، اکسا، برانڈی چاہیے
اک وقت اٹم چاہیے اک وقت وسکی چاہیے
کچھ دن بیئر درکار ہو، کچھ روز شیری چاہیے
سوڈا لمونڈ بھی کبھی بہم تسلی چاہیے
تہذیب کا یہ دور ہے، اس مئے سے تو سرشار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ، مستی میں بھی ہشیار رہ

بسکٹ کا گر کچھ چاؤ ہو تو ہٹلی پامر ہی ہو
سرکہ اگر درکار ہو تیاری کلنر ہی ہو
کنٹر اگر مطلوب ہو صناعی اسلر ہی ہو
کاغذ قلم کے واسطے ہر شہر میں ٹھیکر ہی ہو
تہذیب کا یہ دور ہے، اس مئے سے تو سرشار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ، مستی میں بھی ہشیار رہ

روشن مثالِ شمع ہو، پھیلا پھر اپنی روشنی
ہو روشنی فانوس ساں کچھ چھن رہی کچھ ہو چھنی
عالم چراغاں کا رہے، ہو روشنی یکسر گھنی

ہر انجمن ہو جگمگی، برسوں رہے یوں ہی بنی
تہذیب کا یہ دور ہے، اس مئے سے تو سرشار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ، مستی میں بھی ہشیار رہ

لیمپوں میں ریڈنگ لیمپ سے ہر شام یاں تو کام رکھ
پھر روشنی علم سے روشن تو اپنی شام رکھ
سر طاقِ محنت میں جھکا اور طاق پر آرام رکھ
گر فیض پائے علم سے تو فیض سب پر عام رکھ
تہذیب کا یہ دور ہے، اس مئے سے تو سرشار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ، مستی میں بھی ہشیار رہ

تفریحِ خاطر کو اگر علمی کلب میں جائے تو
بلیئرڈ اور شطرنج سے کم اپنا دل بہلائے تو
عمدہ کتابیں علم کی الماریوں سے لائے تو
یا دو گھڑی کی سیر کو اخبار ہی پھیلائے تو
تہذیب کا یہ دور ہے، اس مئے سے تو سرشار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ، مستی میں بھی ہشیار رہ

لکھا بھی کر گر علم سے روشن ترے افکار ہیں
تحریر گر مطبوع ہو تو بیسیوں اخبار ہیں
افراط ہفتہ وار ہیں، روزانہ بھی دو چار ہیں
وہ بھی ہیں کچھ چھپتے جو یاں ہر ماہ میں دو چار ہیں
تہذیب کا یہ دور ہے، اس مئے سے تو سرشار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ، مستی میں بھی ہشیار رہ

دل ہے اگر مدِ نظر تو رکھ شرر سے رابطہ
آجائے گا پھر ضبط میں وہ دل گدازی ضابطہ
مایوسیوں میں مبتلا کیوں ہوں قلوبِ قانطہ

گر اشرفی درکار ہے رکھیں حسن سے واسطہ
تہذیب کا یہ دور ہے، اس مئے سے تو سرشار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ، مستی میں بھی ہشیار رہ
ہمدرد ہے گر قوم کا تو انجمن میں شور کر
برسا دے مینہہ الفاظ کا، تقریر اک گھنگھور کر
کمزور کی تائید میں طاقت بھر اپنی زور کر
بیمار کا آزار کھو، تدبیر چشمِ کور کر
تہذیب کا یہ دور ہے، اس مئے سے تو سرشار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ، مستی میں بھی ہشیار رہ
گر نقص ہیں کچھ قوم میں اصلاح کی تکلیف لے
مشغول ہو تالیف میں اور عہدۂ تصنیف لے
ہر بزم میں شاباش سن، ہر ذکر میں تعریف لے
تعظیم کا خلعت پہن، اعزاز کی تشریف لے
تہذیب کا یہ دور ہے، اس مئے سے تو سرشار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ، مستی میں بھی ہشیار رہ
زیرِ حکومت ہو ترے انصاف کا گر محکمہ
پہچان کس پر ظلم ہے کس نے سمیٹا مظلمہ
تحقیق کے کانوں سے سن قانون کا ہر زمزمہ
پھر کر شبانی عدل کی، کر شیر سے حفظِ رمہ
تہذیب کا یہ دور ہے، اس مئے سے تو سرشار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ، مستی میں بھی ہشیار رہ
مت جان کھوٹے کو کھرا، پولیس کی تمویہہ سے
غافل نہ ہو انصاف سے حکام کی تنبیہ سے
مت چھوڑ، راہ راستی کج سخنی توجیہ سے

کچھ لوٹ مت رکھ ہو غرض گر نفس کی تنزیہ سے
تہذیب کا یہ دور ہے، اس مئے سے تو سرشار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ، مستی میں بھی ہشیار رہ
احقاقِ حق میں خلق کے دن رات بذلِ جہد کر
تلخی ظلم وجور کو انصاف سے تو شہد کر
ہو ظلم گر اس عہد میں انصاف کا تو عہد کر
گہوارہ ہو گر جور کا تو معدلت کا مہد کر
تہذیب کا یہ دور ہے، اس مئے سے تو سرشار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ، مستی میں بھی ہشیار رہ
ٹلتی نہ ہو جس کی بلا، تجھ سے ٹلے تو ٹال دے
پلتا نہ ہو گر کوئی دم، تجھ سے پلے تو پال دے
اقبال ہے حق نے دیا تو صدقۂ اقبال دے
کوڑی نہ ہو جس جیب میں تو اس میں پیسہ ڈال دے
تہذیب کا یہ دور ہے، اس مئے سے تو سرشار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ، مستی میں بھی ہشیار رہ
رکھتا ہے موزوں طبع گر، کر بانتیجہ شاعری
اصلاح جس سے قوم کی ہو باطنی یا ظاہری
سحرِ حلال اس طرز میں دکھلا زراہِ ساحری
باطل ہو اس کے روبرو ہو گر چہ سحرِ سامری
تہذیب کا یہ دور ہے، اس مئے سے تو سرشار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ، مستی میں بھی ہشیار رہ
کیا لطف باغِ عشق میں گر شاعری پھولی پھلی
کس کام کی مچ بھی گئی گر کچھ دلوں میں کھلبلی
ان کی سمجھ ہی کیا، لگی گر نوجوانوں کو بھلی

وہ بات کر جس سے کھلے اسرار جو دل کی کلی
تہذیب کا یہ دور ہے، اس مئے سے تو سرشار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ، مستی میں بھی ہشیار رہ
رکھ شاعرانہ آنکھ سے ہر جزو عالم پر نظر
ہر نکتۂ دل چسپ کا پھر تول رکھ دل میں اثر
تحقیق کر کس بات میں ہے نفع اور کس میں ضرر
پھر پر اثر تقریر سے دے اہلِ عالم کو خبر
تہذیب کا یہ دور ہے، اس مئے سے تو سرشار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ، مستی میں بھی ہشیار رہ
ہر واقعے کی شان پر تیری نظر پڑتی رہے
گردِ جہالت چشم کے دامان سے جھڑتی رہے
باتیں عجائب ہر گھڑی فکرِ رسا گھڑتی رہے
تفریح کے مضمون پر طبعِ رسا لڑتی رہے
تہذیب کا یہ دور ہے، اس مئے سے تو سرشار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ، مستی میں بھی ہشیار رہ
گر آپ سے گھوڑا امُڑا، یہ بھی وہیں جھٹ پٹ مُڑا
ہے پیٹھ پر یہ بھی اگر بھاگا گدھا رسی تڑا
دیکھا اگر الّو کہیں، الّو ہی سے کچھ لے اڑا
جانا غنیمت ذہن نے جس وقت جو اس کو جڑا
تہذیب کا یہ دور ہے، اس مئے سے تو سرشار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ، مستی میں بھی ہشیار رہ
حاصل ہے قصرِ بحر میں مچھلی کی آسانی اسے
چوٹی پہ گر یہ جا پڑے ہو کچھ نہ حیرانی اسے
بخشے نہ اصلاً خیرگی سورج کی تابانی اسے

چمکائے معلومات کی ہر دم فراوانی اسے
تہذیب کا یہ دور ہے، اس مئے سے تو سرشار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ، مستی میں بھی ہشیار رہ
یہ نوعِ انساں کی کتاب، اللہ کی تصنیف ہے
ہر صفحہ اس تصنیف کا شایانِ صد توصیف ہے
پڑھنے میں اس تصنیف کے گو سر بسر تکلیف ہے
دو چار ہی صفحے تو پڑھ یہ بھی بڑی تعریف ہے
تہذیب کا یہ دور ہے، اس مئے سے تو سرشار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ، مستی میں بھی ہشیار رہ
نکتے ہزاروں طرح کے ہیں صفحے صفحے میں بھرے
اس نسخے کے ہر صفحے پر لازم ہے غور انساں کرے
مت چڑ کسی انسان سے، مت کر کسی کو تو پرے
عاقل وہی ہے جو یہاں ہر مرد سے کچھ لے مرے
تہذیب کا یہ دور ہے، اس مئے سے تو سرشار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ، مستی میں بھی ہشیار رہ
میلہ جہاں ہو جا پہنچ، میلے کی ماہیت سمجھ
توقیت کی توجیہ کر، اوقاتِ جمعیت سمجھ
انواعِ محویت کو دیکھ، اسباب محویت سمجھ
ہر ایک کا مقصد پرکھ، ہر ایک کی نیت سمجھ
تہذیب کا یہ دور ہے، اس مئے سے تو سرشار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ، مستی میں بھی ہشیار رہ
جوتی سے کوئی بد کہے، تو کفش گر سے ربط رکھ
مت جا گدھوں کے شور پر دھوبی کے گھر سے ربط رکھ
ہو جائے گا کندن یہ دل، زرگر پسر سے ربط رکھ

سقراط کو کر پیشوا، ہر پیشہ ور سے ربط رکھ
تہذیب کا یہ دور ہے، اس مئے سے تو سرشار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ، مستی میں بھی ہشیار رہ
گر نفس پر قدرت ہے کچھ اوباش کی صحبت بھی رکھ
مردوں کا گر رکھتا ہے غم، نباش کی صحبت بھی رکھ
رنڈی سے گر آگاہ ہے، عیاش کی صحبت بھی رکھ
افسردہ کیوں ہے فکر میں بشاش کی صحبت بھی رکھ
تہذیب کا یہ دور ہے، اس مئے سے تو سرشار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ، مستی میں بھی ہشیار رہ
ہر صلح کی تفتیش کر، ہر جنگ کا رکھ تجربہ
ہر مئے کی ماہیت سمجھ، ہر رنگ کا رکھ تجربہ
چپکا تو کیا ہر رنگ میں، ہر ڈھنگ کا رکھ تجربہ
ہر ڈھنگ سے آگاہ رہ۔ ہر رنگ کا رکھ تجربہ
تہذیب کا یہ دور ہے، اس مئے سے تو سرشار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ، مستی میں بھی ہشیار رہ
گر جان صاحب کی غزل یا ریختی رنگیں کی ہے
پھکّڑ ہے یا سلطان کا یا ہزلِ چرکیں وجہِ تے
یا ہرزۂ جعفر زٹل، کر ان مراحل کو بھی طئے
ہے یہ کسی نے سچ کہا بہ علم شئے از جہل شئے
تہذیب کا یہ دور ہے، اس مئے سے تو سرشار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ، مستی میں بھی ہشیار رہ
ہے بوئے عیاشی سڑی غزلوں کے منہ سے آ رہی
کس منہ سے تو نے یہ غزل اب اس زمانے میں کہی
پھینک آ قصائد مدح کے باقی نہیں عہدِ شہی

رستہ ہدایت کا پکڑ وہ چھوڑ اگلی گم رہی
تہذیب کا یہ دور ہے، اس مئے سے تو سرشار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ، مستی میں بھی ہشیار رہ
واسوخت کو لے آگ میں یوں ہی امانت ڈال دے
تیری بلا سے گر شرر اس میں خیانت ڈال دے
نوحے، مسدس لکھ کوئی شورِ فطانت ڈال دے
قالب میں نظمِ پاک کے جان ذہانت ڈال دے
تہذیب کا یہ دور ہے، اس مئے سے تو سرشار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ، مستی میں بھی ہشیار رہ
راغب ہو فنِ نظم میں گر طبع سوئے مثنوی
حکمت اثر دیں گے سبق تجھ کو حکیمِ غزنوی
دوں ہی احق بالاقتدا ہیں مولویٔ معنوی
ہو ذہن میں گر اختراع اس طرز کو بھی دے نوی
تہذیب کا یہ دور ہے، اس مئے سے تو سرشار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ، مستی میں بھی ہشیار رہ
قطعہ، مسدس، مثنوی، خمسہ، رباعی یا غزل
جو چیز لکھ اس طرح لکھ، مقبول ہو بین الملل
جاہل میں پیدا علم ہو، عالم میں ہو حسنِ عمل
اخلاق کی اصلاح ہو، ہر طرح ہو رفعِ خلل
تہذیب کا یہ دور ہے، اس مئے سے تو سرشار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ، مستی میں بھی ہشیار رہ
شاعر کے فن کے واسطے حاجت ہے معلومات کی
قدرت ہو تا پیدا اسے ہر بات کے اثبات کی
سو سو طرح ثابت کرے تقریر ہو جس بات کی

کھنچے خوشی میں دن کی وہ تصویر غم میں رات کی
تہذیب کا یہ دور ہے، اس مئے سے تو سرشار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ، مستی میں بھی ہشیار رہ

احوالِ عالم پر نظر تا حد امکانِ بشر
ابنائے حکمے کی نظر میں ہے کمالِ منتظر
حکمت قریں شاعر مگر ہے وہ جو معلومات پر
کر کے تصرف قلب پر ہے ڈالتا مطلوب اثر
تہذیب کا یہ دور ہے، اس مئے سے تو سرشار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ، مستی میں بھی ہشیار رہ

بس شاعری کی شاخ کو درکار ہے حکمت کی جڑ
حکمت کی چوکھٹ پر پہنچ دن رات پیشانی رگڑ
زر میں تری تفتیش کی جو علم وحشی ہو پکڑ
ترکیب میں رہ علم کی، جہلِ مرکب میں نہ پڑ
تہذیب کا یہ دور ہے، اس مئے سے تو سرشار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ، مستی میں بھی ہشیار رہ

علمِ ریاضی کے لیے برسوں ریاضت چاہیے
فنِ طبیعی میں بہت صرفِ طبیعت چاہیے
برسوں الٰہیات میں دن رات محنت چاہیے
فنِ نظر میں فکر سے ہر لحظہ حجّت چاہیے
تہذیب کا یہ دور ہے، اس مئے سے تو سرشار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ، مستی میں بھی ہشیار رہ

ہیئت میں دل پر نقش ہو احوال جذبِ عام کا
لگ جائے لگّا درس کا کھلتے ہی نسخہ شام کا
بزم ثوابت سے عیاں مضمون ہو آرام کا

ظاہر ہو سیّارات سے سر گردشِ ایام کا
تہذیب کا یہ دور ہے، اس مئے سے تو سرشار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ، مستی میں بھی ہشیار رہ

اٹھ جائیں پردے آنکھ کے ہر شل کی ہو گر دور بیں
پیشِ نظر افلاک پر ہو جلوۂ روئے زمیں
آئے نظر مخلوق پھر ہر سو زمیں پر جاگزیں
عالم ہزاروں کھل پڑیں سبحان ربّ العالمیں
تہذیب کا یہ دور ہے، اس مئے سے تو سرشار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ، مستی میں بھی ہشیار رہ

تارے کہ جو ہیں رات کو واقع میں مشعل راہ کی
ہو ان کے دیکھے روشنی افزوں دلِ آگاہ کی
آئے طلائی حرف میں قدرت نظر اللہ کی
اقلیم ہو مدِ نظر اس سچے شاہنشاہ کی
تہذیب کا یہ دور ہے، اس مئے سے تو سرشار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ، مستی میں بھی ہشیار رہ

جس دم افق کا دائرہ کھینچ جائے سطحِ آب پر
سرپوش ہو افلاک کا اک تختۂ سیماب پر
ہو تختۂ سیماب پر کھولے ہوئے سرخاب پر
ہیئت کی ضو سے راستہ روشن ہو شیخ و شاب پر
تہذیب کا یہ دور ہے، اس مئے سے تو سرشار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ، مستی میں بھی ہشیار رہ

ہر دم جہاز اس سے چلا، ہر راہ میں کپتان ہو
پیشِ نظر کمپاس ہو، قصبے میں تائگّان ہو
منزل نہیں کچھ دور ہے، قبرص ہو یا سیلان ہو

ہر کان میں اس علم سے منزل شناس انسان ہو
تہذیب کا یہ دور ہے، اس مئے سے تو سرشار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ، مستی میں بھی ہشیار رہ

مضبوط ہر تمہید ہے، مربوط ہر تقریب ہے
سنجیدہ ہر مضمون ہے، برجستہ ہر ترکیب ہے
معقول ہر تحریص ہے، دل چسپ ہر ترغیب ہے
شہباز نام اس نظم کا ''آئینۂ تہذیب'' ہے
تہذیب کا یہ دور ہے، اس مئے سے تو سرشار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ، مستی میں بھی ہشیار رہ

(خیالات شہباز)

رونیچری مناجات

کوہ میں تو ہے دشت میں تو ہے
سیر میں گلگشت میں تو ہے
بحر میں تو ہے عنبرِ افشاں
ابر میں تو ہے گوہرِ افشاں
رعد میں تو ہے برق میں تو ہے
غرب میں تو ہے شرق میں تو ہے
چاروں کھونٹ ہیں تجھ سے روشن
راس ہے آنکھوں کو تیرا درشن
دن کو سورج بن کر چمکا
رات کو تارا بن کر دمکا
چاند کہیں زہرہ تو کہیں ہے
ابر کہیں کہرہ تو کہیں ہے
ثابت ہے گر ٹھہر گیا تو
سیّارہ گر چل نکلا تو
گردش سے تیری دنیا گھومی
تیری کشش ہے جذب عمومی
دھوپ بنے چمکے چمکائے
بحر سے برسے بھاپ اڑائے
آئیں ابر پھر اجلے گہلے
آدھے سنہرے آدھے روپہلے
کالے پیلے آئیں نظر پھر
آئیں ادھر اڑ جائیں ادھر پھر
چھا جائیں گھنگھور گھٹائیں
جھم جھم برسیں اور برسائیں
جھل تھل سب بھر جائیں دم میں
دہقانوں کے دم آئے دم میں
جن میں تو انساں میں تو ہے
شیطاں میں یزداں میں تو ہے
یزداں گر تو راہ دکھائے
شیطاں گر گمراہ بنائے
تجھ سے دلوں پر شیطاں غالب
کحل بصر تو تیرہ شبوں میں
وہم پہ تیرا عرش بچھا ہے
عرش پہ تیرا نقش جما ہے

(باقیاتِ شہباز)

بھوک کا جلال

خدا کی یاد دلوں سے بھلا رہی ہے بھوک
ہرا ہلِ فقر کو شیطاں بنا رہی ہے بھوک

ہر ایک عضو پہ نازل ہے اک عذابِ الیم
ہمیں تو پیٹ میں دوزخ دکھا رہی ہے بھوک

ہوا زمانہ کہ تِلّی کو چکھ گئی تل کر
کباب کر کے جگر اب تو کھا رہی ہے بھوک

جو پہلے پاؤں میں تھا اب وہ سر میں ہی چکّر
پھرے ہیں بخت، تو اب سر پھرا رہی ہے بھوک

لگا رہا ہے پڑا دل میں آگ دیپک راگ
جو بیٹھی کانوں میں ہمکو سنا رہی ہے بھوک

پڑی ہوئی ہے تزلزل میں کھوپڑی کی چھت
کڑی کڑی میں پڑی گھن لگا رہی ہے بھوک

ہمارے گوشت کی روئی دھنک کے رکھ دیگی
نسوں کی تانت کماں پر چڑھا رہی ہے بھوک

ہماری آنکھوں میں چھایا سماں ہے آندھی کا
فضائے سر میں بگولے بنا رہی ہے بھوک

عجیب طرح کی کتیا ہے یہ گوشت کو چھوڑ
ہر ایک عضو کی ہڈی چبا رہی ہے بھوک

تڑپ رہی ہے پڑی قلب میں نری بجلی
گھٹا کی طرح سے آنکھوں میں چھپا رہی ہے بھوک

لیے ہے ہاتھ میں اک اضطراب کی مقراض
حواس و ہوش کے پرزے اڑا رہی ہے بھوک

جو دیکھو آن کے قارورہ صاف کڑوا تیل
مثانے گردوں میں رنگ لا رہی ہے بھوک

ہے انتڑیوں کو بھی اب درس قل ہو اللہ کا
نرالی ہم کو قرأت سنا رہی ہے بھوک

پڑے جو آنکھوں میں حلقے وہی ہیں حلقۂ گوش
غلام شاہِ نگہ کو دکھا رہی ہے بھوک

مچی ہوئی ہے دھما چوکڑی قیامت کی
دل و دماغ میں اودھم مچا رہی ہے بھوک

کھلاؤ جیسے بنے ہو حرام چاہے حلال
تقاضے سخت ہیں اور جان کھا رہی ہے بھوک

ہے یہ خیال غلط سنسنا رہا ہے بدن
سموم بن کے پڑی سنسنا رہی ہے بھوک

اڑا نہ کان کے پردے مچا کے بھوک کا غل
کہ آپ اپنے یہاں ہوش اڑا رہی ہے بھوک

ہر اک زباں پہ ہے شہبازؔ نغمۂ فی النار
نکل کے پیٹ سے دوزخ کو جا رہی ہی بھوک

❋

پروفیسر شہباز کے جرِ ثقیل در جلو خیالات

ریل

ہم نے دیکھی ہے عجب طرح کی اونٹوں کی قطار
ناک ہر ایک کی لوہے کی ہے، لوہے کی نکیل

سیر میلوں کی ہے ہر وقت وہ باہم ہے ملاپ
دیکھ لو میل کو آنکھوں سے کچھ اس درجہ ہے میل

پہنچتے ٹھیک نشانے پہ ہیں غُلّوں کی طرح
دونوں ہاتھوں سے افق جبکہ چلاتا ہے غلیل

خوش نمائی سے یہ چڑھ جاتے ہیں ہر چوٹی پر
باغِ صنعت میں انھیں کی ہے منڈھے چڑھتی بیل

پیتے پانی ہیں فقط کھاتے ہیں لکڑی کولا
کبھی مالش کے لیے مانگتے ہیں تھوڑا تیل

جانتے ہی نہیں یہ، کہتے ہیں تھکنا کس کو
کھیل ہے ان کو شب و روز کی بھی گر ہو دلیل

سختیاں کوہ کی بے عذر یہ کر لیں برداشت
لیں یہ بے چینِ جبیں دشت کی تکلیفیں جھیل

ہیں پہاڑوں پہ یہ ریچھ اور ہیں میداں میں ہرن
صاف گھڑیال ہیں دریا میں جو دیں ان کو دھکیل

لد کے جاتی ہے انھیں پر تو ولایت کی ڈاک
لد کے آتا ہے انھیں پر تو ولایت کا میل

جانور ہیں، ہے مگران یہ عیاں جرِ ثقیل
عملی شاخ میں اس کی یہ کہیں بھی نہ ہوں فیل

بحرِ زخّار میں ہیں ان کے ہنر کے قائل
شمع افروز شبستان شنا یعنی وہیل

ان کے چلنے سے ہے سونے کو بہانا ملتا
چلتے میں کس نے کہا او نگتے کو دیتے ہیں ٹھیل

سنتے ہی تھے کہ ہیں دنیا کی طنابیں کھینچتی
ہے تماشا کہ انھیں وہ بھی ہے اک ادنا کھیل

ان سے بازار تجارت میں ہے ہر میل کی جنس
ان سے ہوٹل میں سیاحت کے ہے ہر جنس کا میل

سارباں ہے نہ شترخانہ اونٹوں کی قطار
فکرِ شہبازؔ کی گھر گھر ہے چلائی ہوئی ریل

❋

طوفان کی آمد

کیا بات ہے یکا یک رنگ آسماں کا بدلا / مشرق سے بحر نیلی کیوں ہو چلا ہے گدلا
کچھ دیگ سے افق کی خاکی دھواں اٹھا کر / دامن میں آسماں کے ٹانگی ہوا نے جھالر
خاکی لٹیں دھوئیں کی بل کھائے جا رہی ہیں / اڈی ہوئی گھٹا کا خاکا اڑا رہی ہیں
تاثیر عکس سے اب بدلا ہوا سماں ہے / چوتھائی آسماں تک چھایا ہوا دھواں ہے
کس طرح کا تماشا ایجاد ہو رہا ہے / خاکی دھوئیں کا خیمہ استاد ہو رہا ہے
یوں دیکھنے میں خیمہ چپ چاپ گو کھڑا ہے / چپکے ہی چپکے لیکن مغرب کو بڑھ رہا ہے
فانوس وار اس میں ہے روشنی سمائی / پڑتا ہے عکس صحرا اور دشت پر ہے طلائی
کرنوں نے جب غباری خیمے سے سر ابھارا / آیا نظر زبردست آنکھوں کو اک غبارا
کیا روشنی طلائی خوبی سے چھن رہی ہے / سطح زمیں طلا کا اک طشت بن رہی ہے
کیا جانئے فلک نے کیوں تیوریاں چڑھائیں / ظلمت نے نیلی وردی کی پلٹن بڑھائیں
ہر چند خلق کو اک حیرت لگی ہوئی ہے / اس روشنی کے پیچھے ظلمت لگی ہوئی ہے
خاکی ڈرل کی فوجوں کو تیرگی دبائی / اپنی سیاہ وردی کا رعب ہے جمائی
دکھلا رہا ہے آنکھیں وحشت فزا دھندلکا / ہے سنسناہٹوں میں ہنگامہ ٹڈی دل کا
گھوڑوں پہ آ رہے ہیں بیش از عدد بگولے / گردوں نسب بگولے، عفریت قد بگولے
گھوڑے کو اپنے بڑھ کر کوئی جما رہا ہے / کوڑے جما کے کوئی کا دے پہ لا رہا ہے
وہ آ گیا بگولوں کا لیجیے طلایا / طوفاں کے ہاتھ سے اب بھاگیں کہاں خدایا
آتے ہی ان کے ظلمت کا چھا گیا گھٹا ٹوپ / کس دھوم سے سلامی ہے کر رہی ادا توپ
وحشت کا بینڈ باجا زوروں سے بج رہا ہے / بجلی کڑک رہی ہے، بادل گرج رہا ہے
شیر آفتوں میں گھر کر بن میں دہاڑتے ہیں / طوفاں کے گلے سے ہاتھی چنگھاڑتے ہیں
طوفاں نے یہ کیسی آ کر ہوا چلائی / منہ پر اڑی ہوئی ہے ہر شخص کے ہوائی
دروازے کیوں گھروں کے غصے سے لڑ رہے ہیں / دیوار پر طمانچے کیوں در کے پڑ رہے ہیں
چھپر کھسوٹتے ہیں کیوں اپنے بال ناحق / صحن مکاں کا ہے کیوں رنگ اس طرح فق
کیوں ندیاں زمیں کو دشمن سمجھ رہی ہیں / ساحل سے کس لیے یوں موجیں الجھ رہی ہیں
بگڑی ہوئی ہوا کا ہے یہ فساد سارا / ہر انتشار سے ہے طوفان آشکارا

آموں کا بچپن

پھاگن کا ہے مہینا، عشرت کا دور آیا / مہکا ہوا ہے صحرا باغوں میں مور آیا
چہرے سے پتے پتے کے خرّمی عیاں ہے / جو شاخ آم کی ہے اک شاخ زعفراں ہے
شاخیں جھکی ہوئی ہیں، ٹہنا تنا ہوا ہے / جو پیڑ آم کا ہے، دولہا بنا ہوا ہے
کیا بھینی بھینی خوشبو چاروں طرف ہے پھیلی / خوشبو کو سونگھ بھونرا، مجنوں ہے شاخ لیلیٰ
کیا مست بو ہے پھیلی، بھایا جو اس کا آئیں / کوسوں سے مکھیاں بھی کیا کیا سمٹ کے آئیں
یہ مکھیاں کسی دم سوتی نہ اونگھتی ہیں / ہیں مست بھینی بھینی خوشبو یہ سونگھتی ہیں
لے جا رہی ہیں ہر دم ہر لحظہ اپنے گھر یہ / شربت لذیذ شیریں اور صاف چوس کر یہ
ملتے جو خضر مجھ سے تو ان سے میں یہ کہتا / ہے شہر آب حیوان ظلمات پیٹ ان کا
مکھی کو آج، امرت ساگر کا مربتا ہے / یہ شہد تو نہیں ہے امرت ابل رہا ہے
بھونرے بھی ہر طرف سے یاں آ گئے سمٹ کر / کیا کیا لگا رہے پیڑوں کے گرد چکر
اوپر ہی اوپر اپنا گا اور بجا رہے ہیں / عاشق کی طرح بالکل مدہوش ہو رہے ہیں
بھنوروں کو، مکھیوں کو فطرت ہے شہد دیتی / اور چپکے چپکے ان سے ہے اپنا کام لیتی
بیکار مور پر کچھ ان کو نہیں بٹھاتی / نر اور مادہ شاخوں کا بیاہ ہے رچاتی
پرلطف زمزموں سے ہیں دھوم جو مچاتے / سچ مچ ہیں شادیانہ دولہا دلہن کا گاتے
وہ لیجیے نر سے مادہ شاخیں وہ آن چمٹیں / گردن میں ڈال باہیں جی کھول کھول لپٹیں
یاں تو معاملے یہ عشرت کے ہو رہے ہیں / واں کاشت کار فطرت کچھ تخم بو رہے ہیں
اس باغ میں ہیں جتنے باد صبا کے جھونکے / مژدے ہیں گوش جاں میں سرسبز کیریوں کے
شاخوں میں جب زمرد کی طرح یہ پھلیں گی / پتوں میں دامنوں میں یہ کیریاں پلیں گی
کوئل نے آ کے نیچے اک تان یوں لگائی / باغوں کو ہو مبارک! دیں کیریاں دکھائی
جڑنے زمیں کی چھاتی سے بھر رکھے ہیں شیشے / پہنچاتی منھ تلک ہیں نلیاں ربڑ کے ریشے
آنکھیں ہیں بند ان کی اور دودھ پی رہی ہیں / آغوش تربیت میں کیا خوب جی رہی ہیں
سرسبز شاخ ان کا گہوارہ ہے بناتی / بن کر نسیم دایہ ہے دم بہ دم ہلاتی
سوجا تو بالے بھولے سوجا تو پیارے دم بھر / پیارے سروں میں کوئل دیتی ہے لوری آ کر
کیا جانئے یہ بچے تھے جاگتے کہ سوتے / شبنم کو منھ اندھیرے دیکھا منھ ان کا دھوتے
پھیلائی اس میں مشرقی سے مہر نے حرارت / پتوں کے خیموں نے کی آ دھوپ سے حفاظت
سائے میں ہے جھلاتی گاہے اچھالتی ہے / ناز و نعم سے فطرت یوں ان کو پالتی ہے

مرثیہ سرسید احمد خاں

زمانے میں یہ غل ہے کس لیے، شور و فغاں کیوں ہے — گلہ کیوں ہے شکایت کی، لبوں پر داستاں کیوں ہے
فغان و شور میں یوں رفتہ رفتہ کیوں ترقی ہے — تزلزل میں اثر سے اس کے کل ہندوستاں کیوں ہے
تحیر میں کھڑے ہیں کس لیے دیوار و در یکسر — عیاں ہر ایک روزن سے نگاہ خونچکاں کیوں ہے
کروڑوں ہاتھ یوں ماتم کو کیوں اٹھتے ہیں سینے تک — ہماری قوم کے سینے میں مضطر آج جاں کیوں ہے
ہماری آہ میں آئی ہے کیوں یہ رعد کی قوت — ہمارے قلب میں بیتابیٔ برق تپاں کیوں ہے
وہ ایسا کون سا گھر ہے لگی ہے آگ یہ جس میں — زمیں سے آسماں تک سر بسر پھیلا دھواں کیوں ہے
وہ ایسا کون سا خرمن ہے جس پر یہ گری بجلی — یہ بیتابی سے ہر خرمن میں دہقاں نوحہ خواں کیوں ہے
بہا کر لے گیا کس شہر کو سیلِ فنا آخر — یہ سیلِ گریہ لب ہر شہر میں طوفاں فشاں کیوں ہے
جہاز اپنا مسلسل کس لیے یوں ڈگمگاتا ہے — شکستہ کیوں ہے یوں لنگر پھٹا یوں بادباں کیوں ہے
مسلسل گریۂ وزاری یہ کیوں ہے آبشاروں میں — تلاطم کیوں ہے دریا کو پہاڑ آتش فشاں کیوں ہے
گہن میں آ پڑے ہیں خود بخود یہ چاند سورج کیوں — یکا یک اس طرح بگڑا قوامِ آسماں کیوں ہے
اندھیرا یاں سے واں تک کس لیے دنیا میں چھایا ہے — نقاب شب میں دن کو منہ چھپائے یوں جہاں کیوں ہے

بلا یہ تو نظر آتی ہے ہر جنجال سے بڑھ کر
گہن سے، کال سے، طاعون سے، بھونچال سے بڑھ کر

سنا تم نے نہیں کیا، مر گئے سرسید احمد خاں — ستم تازہ یہ ہم پر کر گئے سرسید احمد خاں
وہ غم جو سر سے رستم کے اٹھائے اٹھ نہیں سکتا — وہ اک کمزو سر پر دھر گئے سرسید احمد خاں
کیا تھا رفتہ رفتہ دل کو اپنے غم سے کچھ خالی — اسے پھر اپنے غم سے بھر گئے سرسید احمد خاں

ڈرانے سے بھلا وہ موت کے کب ڈرنے والے تھے — ہماری بے کسی سے ڈر گئے سرسید احمد خاں
رہے بھی تو بہت مضطر رہے قومی مصیبت پر — گئے بھی نہ تو بہت مضطر گئے سرسید احمد خاں
بھرے اب کون دم اس کا ہے ٹیڑھی کھیر ہمدردی — یہ دم سیدھی طرح کچھ بھر گئے سرسید احمد خاں
تصدق اس محبت کے کہ اپنی قوم کے سر پر — تصدق دین و دنیا کر گئے سرسید احمد خاں
زمیں خود آج ہے زیرِ سما اس بات کی شاہد — سما زیرِ زمیں بے زر گئے سرسید احمد خاں
کریں آنکھوں سے اپنی دیکھ کر عین یقیں حاصل — خدا بخشے خدا کے گھر گئے سرسید احمد خاں
ملے اس جوہرِ قابل کو شاید عرض کا موقع — عرض بن کر سوئے جوہر گئے سرسید احمد خاں
''بہشت آنجا کہ آزارے نباشد'' لوگ کہتے ہیں — مگر لے واں بھی دردِ سر گئے سرسید احمد خاں
پلا کر ایک جرعہ قومِ مردہ کو جلا سکتا — یہ کہتے جانب کوثر گئے سرسید احمد خاں

وہ سرسید کہ جن کی دھوم تھی مشرق سے مغرب تک
وہ سرسید کہ جن کی دھاک تھی لندن سے یثرب تک

رکھیں گے قدسیوں کو غم سے یہ اپنے حزیں برسوں — رہے گا زلزلے میں آہ عرشِ بریں برسوں
نہ چھوڑیں گے ہم کو دیکھنا حسرت سے مڑ مڑ کر — رہے گی قوم کی جانب نگاہِ واپسیں برسوں
یہ مٹتے ہی مٹے گی دل سے ان کی قوم کی الفت — رہے گا نقش یہ حسرت فزا زیب نگیں برسوں
نہ دیکھیں گی توجہ ان کی جب اپنی طرف مطلق — رہیں گی وقفِ حیرت عشوہ پرور حور عیں برسوں
کہیں مدت میں جا کر دل پہ ان کے فتح پائے گی — لگائے گی نگاہِ حور و غلماں جب کمیں برسوں
نظر آئے گی ان کی آنکھ میں ڈستی ہوئی ناگن — بہشتی نہر میں موجِ شراب وانگبیں برسوں
دلا کر یاد اجڑتا باغ کا قومی ترقی کے — خزاں کی طرح کھٹکے گی بہارِ یاسمیں برسوں
اٹھا بٹھلائے گی ہر بار قومی کام کی عادت — چڑھے اترے گی سو سو بار ان کی آستیں برسوں
ٹہلنا اس کا قومی فکر میں جنت کے کمروں میں — خرامِ ناز کی صورت رہے گا دلنشیں برسوں
دکھا کر آب و تابِ اسٹفن کی نیلی سیاہی کی — بیاں حسرت کے لکھوائے گی زلفِ عنبریں برسوں
سفارش قوم کی پھر جس گھڑی مدِ نظر ہوگی — رہے گی اک ادا سے وقف سجدے میں جبیں برسوں
پھر آخر عود کی حسرت زدہ آواز سے مل کر — زمانے کو سنائی دے گی یہ صوتِ حزیں برسوں

مجھے اے قوم تیرا ہجر اب ایسا ستاتا ہے
کہ دشمن بھی مرے احوال پر آنسو بہاتا ہے

تحیر سب کو ہے، ہے سین حیرت ریز، جنت میں   کہ گھس آیا کدھر سے آج اک انگریز جنت میں
ٹہلتا ہے عجائب شان سے کچھ سوچ میں اپنے   لگائے بوٹ میں سونے کا اک مہمیز جنت میں
سلیقے سے کھلا ہے باغ میں تہذیب کے لالہ   دلِ پُر داغ کی تصویر ہے یہ فیز جنت میں
ہوں تر رومال حوروں کے اگر قومی مصیبت پر   کھڑا ہو کر یہ دے اسپیچ آفت خیز جنت میں
جدھر دیکھو ادھر چھٹتے ہوں ہمدردی کے فوارے   سنائے داستاں گر اپنی درد انگیز جنت میں
کمر قومی مدد پر باندھ لیں روح مقدس کل   کرے تقریر قومی گر یہ جوش انگیز جنت میں
ہوئے تھے جس قدر چھوٹے بڑے تکفیر کے فتوے   سب اس کی رستگاری کے ہیں دست آویز جنت میں
عجب کیا پاس اپنے خیر و برکت کے خطوط آئیں   گھسیٹی اس نے اک کرسی لگی وہ میز جنت میں
چلا جاتا ہے کاغذ پر نہ رکتا ہے نہ تھمتا ہے   قلم اس کا ہے بجلی سے زیادہ تیز جنت میں
پسند اس کو ہے کب تنہا خوری اس کی بلا جانے   کہ تاکستاں کہاں ہے ہے کدھر فالیز جنت میں
جدا ہوتی نہیں اس کی نظر سے قوم کی شیریں   لقب اس کا پڑا ہے خسروِ پرویز جنت میں
جو قومی نجد کا بن پھر رہا ہے اس کی آنکھوں میں   یہ مجنوں کی طرح ہر دم ہے شور انگیز جنت میں

قرار اصلاً نہیں ہے عاشقِ بیمار کی صورت
شرارِ عشق سے ہے دل کی لیڈن جار کی صورت

وہ سرسید کہ جس کا سر نہ تھا، تھا عقل کا مخزن   وہ سرسید کہ جس کا دل نہ تھا، تھا خلق کا معدن
وہ سرسید کہ جس کی دوربیں پُر خوض آنکھوں میں   بصیرت کی شعاعوں سے تھیں دونوں پتلیاں روشن
وہ سرسید، برہمن آنکھ پر جس کو بٹھاتے تھے   سمجھ کر دیوتا تعلیم کا کرتے تھے سب درشن
وہ سرسید کہ جس کا ناطقہ بزم بلاغت میں   بجاتا تھا عجائب شان سے تقریر کا ارگن
شجاعت کی اگر تقریر کرتا تھا سلیقے سے   تو پیہم بولنے لگتا تھا میدانِ سخن میں رن
بتاتا تھا کبھی جب قوم کو مردہ تو رقت سے   بہا دیتا تھا دریا آنسوؤں کا برسرِ مدفن
زباں چلتی تھی جیسے تیغ چلتی ہو سپاہی کی   کسی کا اڑ گیا پہنچا، کسی کی کٹ گئی گردن

قلم اس کا بعینہٖ کام کرتا تھا کلمبس کا   کتاب اس کی نئی دنیا، خیالات اس کے امریکن
برابر دوڑتی رہتی تھی غور و فکر کی بجلی   کبھی نیویارک میں تڑپی کبھی چمکی وہ جا لندن
اسی سے داد پاتے تھے خیالات مصفا کی   ادھر چاسر ادھر کپلر ادھر ملٹن ادھر نیوٹن
مسلسل غل سے کل رسمی سلاسل کر دیئے ساقط   ہوئے آزاد شرعی طور سے مذہب کے افریکن
وہ سرسید کہ جس کی نوکِ خامہ کے اشارے سے   سمٹتے ہی چلے آتے تھے دنیا بھر کے علم و فن

حدیث و فقہ و تفسیر و کلام و فلسفہ حکمت
حساب و جبر و اقلیدس طبیعی کیمیا، ہیئت

وہ سرسید کہ جس کی زندگانی زندگانی تھی   حیات اس کی ہماری زندگانی کی نشانی تھی
جسد میں قوم کے تھا جو بعینہٖ قلب کی صورت   بھلائی میں تمام اعضاء کی جس کی جانفشانی تھی
وہ بھیجے کی طرح اعصاب زا تھا قوم کے سر میں   کہ جس سے جس کی از سرتا بہ پا ریشہ دوانی تھی
رگ و پے میں کبھی وہ دوڑتا تھا خون کی صورت   رواں پرور رواں آسا کبھی اس کی روانی تھی
عیونِ قوم کی پتلی اس کی خوش نگاہی تھی   لسانِ قوم کی بولی اسی کی خوش بیانی تھی
مچا رکھی تھی اس نے ہند میں اک لوٹ چندے کی   بچا اس کے تطاول سے نہ راجا تھا نہ رانی تھی
گورنر ویسرا اس سے برابر رائے لیتے تھے   اسے حکام بالا پر بھی حاصل حکمرانی تھی
اسی کے دم سے سالانہ تھے علمی میہماں آتے   اسی کے دم سے سالانہ وہ علمی میزبانی تھی
عیاں رہتا تھا ٹیبل ٹاک سے تہذیب کا لہجہ   مہذب بذلہ سنجی تھی، مہذب شعر خوانی تھی
خرد لب ریز تھی تحریکِ جامِ تندرستی کی   گلاسوں سے ابلتی عقل زا جادو بیانی تھی
یہ وہ لوتھر تھا جس کو عقلِ کل تھی عیسیٰ دوراں   یہ وہ اکبر تھا جس کو صلح کل مریم زبانی تھی
وہ لفظوں کا شناور، ہفت قلزم پار اتر جاتا   وہ معنی کا سمندر جس کی مشکل تھاہ پانی تھی

اثر اعجاز کا تھا اس کے درد انگیز نالے میں
خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں

نہ رہا اے قوم ہمت، ہے یہ ہمت یادگار اس کی   اگر ہو صبر، ہے خود یہ مصیبت یادگار اس کی
مناسب ہے کریں پوری عمارت صرف ہمت سے   کہ ہو کالج کی تو پوری عمارت یادگار اس کی

رہے گی جب تلک اردو زباں، ہے ہند میں رائج — فصاحت یادگار اس کی بلاغت یادگار اس کی
نہیں آیا شریعت کوئی ثانی لے کے دنیا میں — شریعت میں رہے گی ایک جدت یادگار اس کی
بڑھانا چاہتا تھا رات دن اپنوں کو غیروں سے — رہے گی خویش و بیگانے میں غیرت یادگار اس کی
ابھی تھا بوعلی، رازی ابھی تھا نیوٹن و کپلر — رہے گی مدرسوں میں عقل و حکمت یادگار اس کی
بنا کر قوم کو بت اس کی مسجد میں عبادت کی — رہے گی بت پرستوں میں یہ بدعت یادگار اس کی
ظرافت میں بھی وہ کرتا تھا یاروں سے متیں باتیں — متانت میں رہے گی یہ ظرافت یادگار اس کی
وہ کہہ دیتا تھا حق ہر چند موت اس کو ڈراتی ہو — رہے گی موت کو بھی یہ جسارت یادگار اس کی
فریقوں میں پڑے تھے تفرقے جتنے مٹا ڈالے — یہ کل فرقوں میں ہے آپس کی ملت یادگار اس کی
کیا تھا اس نے پھر ایجاد اس دینی اخوت کو — رہے گی حسنِ ایجادِ اخوت یادگار اس کی
دلوں سے اس کے احساں کا تصور مٹ نہیں سکتا — یہی قائم رہے گی تا قیامت یادگار اس کی

یہ کیا لازم کہ کچھ سنگی سلوں کی یادگاریں ہوں
جہاں سینوں میں یوں رنگیں دلوں کی یادگاریں ہوں

اگر چہ غم ہے جاں فرسا مگر اب غم سے کیا ہوگا — کرو اب صبر یارو نوحۂ و ماتم سے کیا ہوگا
نہ اس سے دل کی کچھ تسکیں نہ ٹھنڈک اس سے آنکھوں میں — درونِ نالہ پرور دیدۂ پرنم سے کیا ہوگا
لگا کے زخم پر مرہم جو چاہو زخم اچھا ہو — لگانے سے جو بھاگو گے تو پھر مرہم سے کیا ہوگا
شفا چاہو تو ہیں اب بھی ہزاروں عیسیٔ مریم — نہ چاہو جب تمھیں تو عیسیٔ مریم سے کیا ہوگا
جو قومی کام کرتا ہے تو یہ کم ہمتی چھوڑو — زیادہ بھی یہاں کم ہے بھلا اس کم سے کیا ہوگا
ہمیں درہم ہی دو، ہم کو نہیں دینار کی خواہش — مگر دے تو چکو، پھر پوچھنا درہم سے کیا ہوگا
چمن وقتِ سحر ہر روز کیوں کر جگمگا اٹھے — اگر پوچھا کریں گل قطرۂ شبنم سے کیا ہوگا
تم ہی تھے ہاتھ پاؤں اس کے تم ہی سب کام کرتے تھے — غلط سمجھے ہو گر سمجھے ہو تم اب ہم سے کیا ہوگا
ہلاؤ ہاتھ پاؤں اپنے تم ہی ہو وقت کے رستم — ہلائے گر نہ دست و پا تو پھر رستم سے کیا ہوگا
دکھا سکتے ہو اب بھی اپنی قدرت اہلِ عالم کو — مگر دل پر تو رکھو، قدرت و عالم سے کیا ہوگا
یہاں ہے زر کی حاجت جس طرح دلواؤ جتنا دو — حصول اس مدرسے کو بحثِ کیف و کم سے کیا ہوگا

یہی ہے یادگار اس کی کرو کالج کو مستحکم — بنائے یادگار، غیر مستحکم سے کیا ہوگا

عمارت علم کی ہے عرش تک اس کو اٹھا چھوڑو
مسلمانو! اسے تعلیم کا کعبہ بنا چھوڑو

زیادہ اب نہ دل میں قوم کے اعیاں پریشاں ہوں — مناسب ہے تلافی کے بھی اب کچھ جمع ساماں ہوں
نہ ہوں مایوس خوش ہوں آیۂ لاتقنطوا پڑھ کر — پڑی ہیں مشکلیں جتنی یقیں ہے سب وہ آساں ہوں
یشدُ بعضہ' بعضاً کی مل کر شان دکھلائیں — مشیّد تا کہ اس قومی عمارت کے سب ارکاں ہوں
کدھر ہیں شبلی دانا، کہاں ہیں حالی خوشگو — یہ ہے بحرِ تدارک باغِ قومی میں غزلخواں ہوں
کدھر مشتاق ہیں مشتاق ہیں ان کی بھی سب آنکھیں — کدھر محمود ہیں اب واقعی محمود دوراں ہوں
کہاں ہیں آفتاب علم مولانا نذیر احمد — شاعوں سے وفا کی شرق ہمدردی سے تاباں ہوں
سمیع اللہ خاں صاحب بھی آئیں گر وہ سنتے ہیں — کہ سچ مچ اٹھ کھڑے تا مولوی مہدی علی خاں ہوں
یہ وہ دونوں ہیں جو تھے سید احمد خاں کے دو بازو — عجب کیا عالمِ علوی میں بھی وہ ان پہ نازاں ہوں
بھلا دی جائیں شایاں ہے گذشتہ سرگزشتیں کل — مضامین کہن زیبا ہے زیب طاقِ زویاں ہوں
اکھاڑے میں عمل کے انتظامی زور دکھلائیں — بڑھیں میدان میں علمی قدم سے گرم جولاں ہوں
کریں چندے فراہم اس طرح دامن میں ہوں ان کے — گرہ میں جس قدر خورشید کے لعلِ بدخشاں ہوں
ہو یونیورسٹی چندے سے، پھر اس شان کی قائم — کہ یورپ کے بھی سب جس سے دبے قومی دبستاں ہوں

علی گڑھ میں جو دارالعلم کی برپا عمارت ہو
ولایت ہند کی بھی کیا عجب رشکِ ولایت ہو

قویٰ سے فعل کے عالم میں گر یہ یادگار آئے — مبارکباد کو دوڑا ہوا خود روزگار آئے
خزاں آئی ہوئی پھر جائے دروازے سے گلشن کے — نکالے ابر کا گھونگھٹ چمن میں پھر بہار آئے
گلے میں ہر شجر کے ہو پڑی پھولوں کی اک بدّھی — چمن میں آئے جو بوٹا لیے پھولوں کا ہار آئے
لپٹ پھولوں کی جائے آسماں تک کیاری کیاری سے — پھلوں کے بوجھ سے جھک کر زمیں تک شاخسار آئے
نظر جس پیڑ پر ڈالیں دکھائے قد وہ بوٹا سا — نگہ جس پھول پر جائے نظر وہ گلعذار آئے
نئی سرسبزیوں سے شاخ پر ہو جلوہ گر طوطی — ہزاروں خوبیوں سے کان میں صوتِ ہزار آئے

چمن میں میکدے کھل جائیں عقل و ہوشیاری کے　　جہاں انساں اگر بے ہوش جائے ہوشیار آئے
وہ مئے ہو جس کے ہر جرعے سے تقویٰ کو طہارت ہو　　وہ جرعہ ہو حرم میں جس کا زاہد جرعہ خوار آئے
ہو مستی، پر نہ وہ ہو سر سے جس کے دردِ سر چمٹا　　نشہ ہو، پر نہ وہ لپٹا ہوا جس سے خمار آئے
یہی جنت وہ ہے جس میں کہ خوش ہو روحِ سرسید　　یہیں ٹھہرے تو اس کے قلبِ مضطر کو قرار آئے
نہ ہو شاداب امت کی ترقی کا چمن جب تک　　پسند اس کو کہاں جنت کا باغِ خوش بہار آئے
رکی جب اس چمن میں ہو ہوا قومی ترقی کی　　تو پھر اس باغ میں کیوں کر نسیمِ خوشگوار آئے

اگر ہے قوم کو راحت تو سید کو بھی راحت ہے
یہاں بھی اس کو جنت ہے وہاں بھی اس کو جنت ہے

الٰہی سید احمد خاں کو بزمِ خاص میں جا دے　　تجلی گاہِ قدرت کا تماشا اس کو دکھلا دے
بساطِ قرب پر تو اس کو ماذون الشفاعت کر　　عطائے خاص سے ہمت میں اس کی زور اتنا دے
وہی ہو جائے جو چاہے وہ اپنی قوم کی خاطر　　خزانوں سے تری رحمت کے جو چاہے وہ دلوا دے
جگا دے ان کو جو ہوں خوابِ غفلت میں پڑے سوتے　　جو بیٹھے اونگھتے ہوں کاہلی سے ان کو چونکا دے
اگر ہوں ڈوبتے منجدھار میں بٹھلا دے ساحل پر　　بھٹکتے ہوں اگر میدان میں منزل پہ پہنچا دے
نہیں وہ چاہتا شاخیں جھکا دے سیب و رُمّاں کی　　نہیں وہ چاہتا شیرہِ عنب کا منہ میں ٹپکا دے
نہیں وہ چاہتا لحماً طریًا کی گزک آگے　　نہیں وہ چاہتا شہد و لبن سے جام چھلکا دے
نہیں وہ چاہتا آنکھوں کے آگے حور کا جلوا　　وہ بجلی جو تڑپ کر قلب کو سینے میں تڑپا دے
نہیں وہ چاہتا خدمت کو ہر دم نازنیں غلماں　　کہ جن کے عارضِ رنگیں کو رغبت بڑھ کے بوسا دے
وہ عاشق قوم کا ہے قوم کو اس کی وہ دے دولت　　کہ جو دونوں جہاں میں لے کے سکہ اس کا بٹھلا دے
وہ شیدا ملک کا ہے ملک کو اس کے وہ دے ثروت　　کہ یکساں جو پرانی اور نئی دنیا کو چکرا دے
جہاں ہیں عاشقانِ قوم اس جا اس کو دے کرسی　　یہ کیا لازم کہ واں بھی صحبتِ ناجنس ایذا دے

دکھا حوروں کے جھرمٹ میں نہ یوں باغ و چمن اس کو
الٰہی عاشقوں میں تو بنا صدر انجمن اس کو

ولایتی گڑیا

ہے عاقلوں کی تمنا ولایتی گڑیا
سوسائٹی کا ہے گہنا ولایتی گڑیا
نہ پوچھو کتنی ہے دانا ولایتی گڑیا
خرد ہے مے، تو ہے مینا ولایتی گڑیا
ہر اک ہنر میں ہے یکتا ولایتی گڑیا
عجیب صفت کی ہے گڑیا ولایتی گڑیا
پہن کے گون منقش یہ جب نکلتی ہے
میانِ خلوت فانوس شمع جلتی ہے
جو خوش خرام یہ شوخی کی چال چلتی ہے
تو دل کے چشمے سے کیا کیا خوشی ابلتی ہے
ہر اک ہنر میں ہے یکتا ولایتی گڑیا
عجیب صفت کی ہے گڑیا ولایتی گڑیا
کیے ہے زیب تن اپنے وہ حسن زا ملبوس
کیے ہے طلسم سے جس کے بنی ہوئی طاؤس
بلائیں لیتی ہے پھر پھر کے گرد شان عروس
تھرک رہی ہے جبا، محو رقص بے ناموس
ہر اک ہنر میں ہے یکتا ولایتی گڑیا

عجیب صفت کی ہے گڑیا ولایتی گڑیا
چمن میں گالوں کے ہیں سرخ سرخ پھول کھلے
بھنوؤں کے دونوں میں نرگس کے ہم کو پھول ملے
نکیلی پلکوں سے دامان گل کے چاک سلے
دہن سے پھول جھڑیں گر ذرا زبان ہلے
ہر اک ہنر میں ہے یکتا ولایتی گڑیا
عجیب صفت کی گڑیا ولایتی گڑیا
طلب کی راہوں میں گر خاک پھانک سکتی ہے
ہوا خوری کو یہ ٹمٹم بھی ہانک سکتی ہے
فٹن کی جوڑی کی قیمت بھی آنک سکتی ہے
ہر اک ہنر کے جھروکے سے جھانک سکتی ہے
ہر اک ہنر میں ہے یکتا ولایتی گڑیا
عجیب صفت کی ہے گڑیا ولایتی گڑیا
ہو چاہے نثر مکالے کہ نظم شیکسپیئر
ہر اک کلام کو پڑھتی ہے بے تکاں فرفر
ہزاروں نکتے نصیحتوں کے اس کو ہیں از بر
دماغ اس کا ہے گنجینۂ خرد یکسر
ہر اک ہنر میں ہے یکتا ولایتی گڑیا
عجیب صفت کی ہے گڑیا ولایتی گڑیا
جو اس کی طبع رسا مو شگاف ہوتی ہے
تو موتی خوب لب و لہجہ کی پروتی ہے
جو کوئی بات ہے مرجاں تو کوئی موتی ہے
اسی سے آب گہر اپنی تاب کھوتی ہے

ہر اک ہنر میں ہے یکتا ولایتی گڑیا
عجیب صفت کی ہے گڑیا ولایتی گڑیا
ڈیمستھنس کی ہے تقریر اس کے آگے گرد
ہے اس کی باتوں سے بازار برک کا بھی سرد
کہیں کلام ہے پر جوش اور کہیں پر درد
اثر کے جادو سے ہے اس کا نکتہ نکتہ فرد
ہر اک ہنر میں ہے یکتا ولایتی گڑیا
عجیب صفت کی ہے گڑیا ولایتی گڑیا
ہے اس کے دست وقلم میں وہ خوش خطی کا ہنر
کہ سطر سطر سے حاصل ہے روشنی نظر
ہر اک حرف ہے چھٹی کا قیمتی جوہر
ہر اک سطر مسلسل ہے رشک سلک گہر
ہر اک ہنر میں ہے یکتا ولایتی گڑیا
عجیب صفت کی ہے گڑیا ولایتی گڑیا
دکھائے نقش کشی میں یہ جب کہ اپنا ڈھنگ
نہ جمنے پائے رفائل کا اس کے آگے رنگ
بھرے جو رنگ تو ہر رنگ سے عیاں میزتگ
نبائے خوشہ تو ہو اس کا خوشہ چیں ارژنگ
ہر اک ہنر میں ہے یکتا ولایتی گڑیا
عجیب صفت کی ہے گڑیا ولایتی گڑیا
قلم سے اس کے ہیں سرسبز سردار و شمشاد
پڑی ہے صفحۂ کاغذ پہ باغ کی بنیاد
اسیر دام میں خط کے ہیں سو سن آزاد

گئے وہ دل سے اثر نقش مانی و بیزار
ہر اک ہنر میں ہے یکتا ولایتی گڑیا
عجیب صفت کی ہے گڑیا ولایتی گڑیا

ہے اس کی ذات سے رونق یہ فن موسیقی
ہے اس کی مٹھی میں جاں بارید نکیسا کی
طلسم نغمہ ہے اس کی طلسم زا انگلی
گلے میں اس کے ہے شامان چھپی ہوئی بیٹھی
ہر اک ہنر میں ہے یکتا ولایتی گڑیا
عجیب صفت کی ہے گڑیا ولایتی گڑیا

جو لے کے سوئی کشیدہ یہ کاڑھنے بیٹھے
بہار باغ یہ کپڑے یہ صاف دکھلائے
تمام بیل نہایت ہی خوشنما پھیلے
جدھر نگاہ کرو گل ہوں سرخ سرخ کھلے
ہر اک ہنر میں ہے یکتا ولایتی گڑیا
عجیب صفت کی ہے گڑیا ولایتی گڑیا

پکالے کھانا تو صفت کی پختگی دکھلائے
ہزار نعمتیں مطبخ سے اپنے روز کھلائے
سجا کے میز پہ لذت کا طرفہ باغ کھلائے
نعیم خلد کی زاہد کے دل سے یاد بھلائے
ہر اک ہنر میں ہے یکتا ولایتی گڑیا
عجیب صفت کی ہے گڑیا ولایتی گڑیا

ہے باغبانی کی بھی فرع میں اسے وہ کمال
کہ پھول پھول کا روشن ہے اس پہ سب احوال

تمام باغ میں پھیلا کے بیل کا یہ جال
سیاں رنگتی ہے گہ گل کو سرمئی گہ لال
ہر اک ہنر میں ہے یکتا ولایتی گڑیا
عجیب صفت کی ہے گڑیا ولایتی گڑیا

ہنر سے پھولوں میں انواع رنگ بھرتی ہے
یہ پتی پتی زیر جسد نگار کرتی ہے
قدم یہ باغ تصرف میں جبکہ دھرتی ہے
تو پوری صنع کی معیار پر اترتی ہے
ہر اک ہنر میں ہے یکتا ولایتی گڑیا
عجیب صفت کی ہے گڑیا ولایتی گڑیا

نمونہ خلد بریں کا ہے خانہ باغ اس کا
ہے اس بہشت کا رضواں دل و دماغ اس کا
جگر میں لالۂ نعمان کے بھی ہے داغ اس کا
ہر اک ہنر میں ہے یکتا ولایتی گڑیا
عجیب صفت کی ہے گڑیا ولایتی گڑیا

منگا کے گھر میں یہ سر کے کا جار رکھتی ہے
بنا کے چٹنی مربہ، اچار رکھتی ہے
نظر میں گھر کا ہر اک کاروبار رکھتی ہے
عجب ہنر یہ سلیقہ شعار رکھتی ہے
ہر اک ہنر میں ہے یکتا ولایتی گڑیا
عجیب صفت کی ہے گڑیا ولایتی گڑیا

سلیقہ اس کو ہے بچوں کے رکھ رکھاؤ کا بھی
دل سنگار کا بھی، ظاہری بناؤ کا بھی

بے چاؤ، لیک ہے انداز اس کے چاؤ کا بھی
خیال اس کو ہے دنیا سے چل چلاؤ کا بھی

ہر اک ہنر میں ہے یکتا ولایتی گڑیا
عجیب صفت کی ہے گڑیا ولایتی گڑیا

کسی بشر سے بہت دل نہیں لگاتی یہ
کمال شفقتگی بھی نہیں دکھاتی یہ
اسی سے جب ہے عزیزوں سے چھوٹ جاتی یہ
بہت ہی کم ہے جدائی یہ صدمہ پاتی یہ

ہر اک ہنر میں ہے یکتا ولایتی گڑیا
عجیب صفت کی ہے گڑیا ولایتی گڑیا

بنائی ہم نے یہ گڑیا ہنر کے باتوں سے
ہنر ٹپکتا ہے شہباز جس کی باتوں سے
ہنر کہ جس سے ہو تاریکی دور راتوں سے
فلک ہیں سات، ہنر ہے بلند ساتوں سے

ہر اک ہنر میں ہے یکتا ولایتی گڑیا
عجیب صفت کی ہے گڑیا ولایتی گڑیا

بیسویں صدی کی اپٹوڈیٹ شریف زادی

میں بیسویں صدی کی ہوں اک شریف زادی / آزادی میری اماں تہذیب میری دادی
شائستگی کا کھاتی ہوں میں جیلی و مربیٰ / دادا مرے مہذب شائستہ خاں ہیں ابا
بے زار ہوں بہت پاجامے پائچے سے / ہمرو سے گلبدن سے، شروع الائچے سے
مجھ سا حسیں زمانے میں آج کون ہوگا / سایہ فگن جو مجھ پر ساٹن کا گون ہوگا
کرتی ہوں مثل آہو کرتی سے اب تو میں دم / ہے کیوں نگوڑی انگیا خلوت میں میری محرم
اب لد گیا زمانہ مو باب اطلسی کا / جوڑا یہاں بندھا ہے کیا کام اوڑھنی کا
گر سر ہی ڈھانکنا ہے بونٹ کہیں سے لاؤ / تہذیب کے چمن میں گلدستہ یوں کھلاؤ
جوتی وہ گھتیلی اب پہنے ہماری جوتی / ہاں بوٹ چاہیے ایڑی ہو جس کی اونچی
مدہوش کردے سب کو زینت کی مئے چھلک کر / آئیں چلیں ہزاروں شیدا بہک بہک کر
الماس و لعل دیکھیں سینے پہ جسم بن کر / چھپت تختی اپنی چمکے لوح طلسم بن کر
ایسا طلسم جادو کے زیب سے کھڑا ہو / صاحب قرآں بھی پڑھ کر جس میں کہ پھنس رہا ہو
طاؤس بن کے ناچوں میں گون سے دموں سے / آہوئے رم دکھاؤں بوٹوں کے ان سموں سے
شانوں پہ صاحبوں کے تھوڑی کی چول بیٹھے / اڈے پہ لال جیسے پنجرے میں پھول بیٹھے
خاص اک ادا سے لپٹیں دو ہاتھ یوں کمر سے / چھایا ہو نشہ آنکھوں میں رقص کے اثر سے
گرمی سے عشرت دل کی چہرہ ہو تمتمایا / گالوں پہ جوں نشے نے اجلاس ہو جمایا
پیشانی سے گلے تک مکھڑا عرق عرق ہو / شبنم سے تر گلوں کا جوں صبح رنگ فق ہو
چھینٹوں سے کب وضو کے پانی سے جاگتی ہوں / راہ نجات سے میں کوسوں ہی بھاگتی ہوں
قرآن کو قسم ہے منتر سا ہوں سمجھتی / جوں زلف ہوں سراپا واللیل سے الجھتی
انگریزی ناولوں میں لندن کے راز پڑھ کر / کون اب کمر دکھائے اپنی نماز پڑھ کر

اس سے کہ مسجدوں میں دای نماز دوں / بہتر ہے مندروں میں عشرت کے خود بجوں میں
استانیاں نینن ہوں، آتوئیں سسٹریں ہوں / رحلوں کی جاہوں میزیں، پڑھنے کو ریڈریں ہوں
ننگا کھڑا الف ہے، ذلت میں بے ہے ڈوبی / شائستگی کی بولی ہے بیگموں میں اے بی
ہم تو یہی لکھیں گے ہم تو یہی پڑھیں گے / ڈولی ہے ڈانواڈولی سائیکل پہ اب چڑھیں گے
ماکا سوئی کا جس جا بھیڑوں کر پائیں گے ہم / دھاگے کی طرح بٹ کر جھٹ پٹ سمائیں گے ہم
ہونے کو ختم ہوگی رفتار کی جب انٹی / جادو جگائے گی تب پھرتی بجا کے..... گھنٹی
دیکھے گی ہم کو سستی حیرت سے جل نکلتی / سانچے میں چستیوں کے ہر ہر قدم پہ ڈھلتی
دیواریں مجھ کو گھر کی اب تو ہیں کاٹے کھاتی / ہر در سے وحشتیں ہیں صورت ہمیں دکھاتی
چلمن کا کام کیا ہے، پردے کو پھاڑ پھینکو / وحشت کدہ یہ گھر ہے گھر کو اجاڑ پھینکو
آئے گر آج ابا تو شام تو کہیں گے / میموں کی طرح اب تو کوٹھی میں ہم رہیں گے
اجلا ہے گر دو پٹا رہنے دو مت رنگا دو / جلدی سے ایک بگھی لیکن ہمیں منگا دو
مسّی ہوا سے کب تک مسموم ہم رہیں گے / کب تک ہوا خوری سے محروم ہم رہیں گے
سینے میں پھیپھڑے سب سکڑے رہیں گے کب تک / دل اور جگر ستم سے ٹکڑے رہیں گے کب تک
چوٹوں کے ڈر سے مٹکوں میں قید قند کب تک / چیلوں کے ڈر سے چڑیا پنجروں میں بند کب تک
سل کی سنائیں کب تک سینوں کے پلہ ہوں گے / عصمت پہ اپنی جانیں کب تک نثار ہوں گی
آنکھوں میں اپنی عینک تہذیب کی چڑھاؤ / حد نظر کی وسعت صنعت سے کچھ بڑھاؤ
یورپ میں تو نہیں ہیں عصمت کے اتنے جھگڑے / جوہر ہے یہ چمکتا کھاتا ہے جتنے رگڑے
شیشہ نہیں کہ ٹوٹے ادنیٰ سی ٹھیس سے یہ / تاوان لے کے چھوڑے ڈیوورس کیس، سے یہ
گھٹ گھٹ کے کب تلک ہم شہباز یوں مریں گے / عصمت رہے کہ جائے سیراب تو ہم کریں گے

***

غزلیں

ہے عشق تو پھر اثر بھی ہوگا / جتنا ہے ادھر ادھر بھی ہوگا
مانا یہ کہ دل ہے اس کا پتھر / پتھر میں نہاں شرر بھی ہوگا
ہنسنے دے اسے لحد پہ میری / اک دن وہی نوحہ گر بھی ہوگا
نالہ مرا گر کوئی شجر ہے / اک روز یہ بارود بھی ہوگا
ناداں نہ سمجھ جہاں کو گھر / اس گھر سے کبھی سفر بھی ہوگا
مٹی ہی کا گھر نہ ہوگا برباد / مٹی ترے تن کا گھر بھی ہوگا
زلفوں سے جو اس کی چھائے گی رات / چہرے سے عیاں قمر بھی ہوگا
گالی سے نہ ڈر جو دیں وہ بوسہ / ہے نفع جہاں ضرر بھی ہوگا
رکھتا ہے جو پاؤں رکھ سمجھ کر / اس راہ میں نذرِ سر بھی ہوگا
اس بزم کی آرزو ہے بے کار / ہم سوں کا وہاں گذر بھی ہوگا
شہباز میں عیب ہی نہیں کل
ایک آدھ کوئی ہنر بھی ہوگا

***

خطِ سبز ہے رہنما دل لگی کا / شرف دل کو خضر کی بندگی کا
ذقن کے مزے کوئی پوچھے لبوں سے / یہ ہے سیب لیکن عجب تحفگی کا
طبیعت ہے آئی کسی سادہ رو پر / مزا ہے جبھی شعر میں سادگی کا
کیا مجھ کو پیری میں آوارہ دل نے / نہیں گر چہ یہ وقت آوارگی کا
شہ عشق کے نام لیوا ہیں آنسو / اچھا لیں گے یہ نام شہزادگی کا
ہے منظور کس گل کا نظارہ نرگس / بنایا جو ہے بھیس نظارگی کا
درم عشق نے داغ کے چند بخشے / نہ ہو دل کو تاریخ بے مائگی کا

نصیحت کی باتوں سے بڑھتی ہے وحشت   جنوں خیز ہے شہر فرزانگی کا
دکھایا ہے کس چشم نے اپنا عالم   کہ آہو پہ عالم ہے دیوانگی کا

جام بھر کر نور کا جس دم بڑھی تنویرِ صبح   تھی صبوحی سے بھی زیادہ بزم میں تاثیرِ صبح
جب کیا خورشید نے آفاق میں فوکس درست   کھینچ گئی اوراق گل پر ہر جگہ تصویرِ صبح
ہلکی ہلکی چل رہی ہے سطحِ دریا پر نسیم   چپکے چپکے بن رہی ہے سیم سے زنجیرِ صبح
پڑھ رہا ہے قاریٔ منقار کیا کیا آیتیں   چڑھ رہی ہے مصحفِ قدرت پہ کیا تفسیرِ صبح
کس مزے سے گود میں دایہ کے اطفالِ بنات   پی رہے ہیں منہ سے کلیوں کے پیالے شیرِ صبح
کیا تعجب ہے اگر ہر باغ ہو باغِ ارم   ہو رہی کشتِ طلائی سے ہے جب تعمیرِ صبح
چاندنی کا رات کو مہتاب نے دیکھا تھا خواب   یوسفِ گل نے چمن میں ہنس کے دی تعبیرِ صبح
تم بھی ہنس کر باغ میں پھولوں کو شرمندہ کرو   جب چٹک کر باغ میں کلیاں کریں تقریرِ صبح
آفتابِ رخ سے دو صبحِ سعادت کو فروغ   سلسلے میں زلف کے پیدا کرو زنجیرِ صبح
ہنس کے تم دکھلا رہے ہو ہم کو تحریرِ مسی   پڑھ رہے ہیں یا ستارے صبح کو تحریرِ صبح
بڑھ رہی ہے جانبِ مشرق سے کب یہ روشنی   چل رہی ہے عاشقوں کے حلق پر شمشیرِ صبح
خندۂ بیجا سے اس کے دل کو ہے تکلیف سخت   وصل کی شب کاش ہوسکتی کوئی تدبیرِ صبح
زلف مشکیں سے مناسب ہے کہ مشکیں کس کے خوب   صبح سے تا شام کیجیے خوب سی تعزیرِ صبح
زلف کے صدقے میں پھر جب شام ہو تو ہاتھ اٹھا   شام سے صبحِ ابد تک چاہیے تاخیرِ صبح

صبح ہے شہبازؔ اپنی شام سے بڑھ کر اداس
وہ جو آجائیں چمک اٹھے ابھی تقدیرِ صبح

O

دکھلائے تا کہ رنگِ وفا سر سے پاؤں تک   یاقوت نے لگائی حنا سر سے پاؤں تک
ہے شوخ میں ادا ہی ادا سر سے پاؤں تک   صدقے ہو کیوں نہ زلف رسا سر سے پاؤں تک
ہے ڈھانپنے کو خاکِ قبا سر سے پاؤں تک   نہلائے گر چہ آبِ بقا سر سے پاؤں تک
کیا جانے کیوں کہ دیکھ لیا سر سے پاؤں تک   چھایا ہوا ہے ایک نشا سر سے پاؤں تک
کب تک لگائیں بیٹھے دوا سر سے پاؤں تک   چلتی ہے روز تیغِ جفا سر سے پاؤں تک
خورشید وار عشق اگر ہے ضیا فگن   کر مثلِ ماہ کسب ضیا سر سے پاؤں تک
کیا جانے ان سے کون سا سرزد ہوا گناہ   آنکھیں ہیں اس کی غرقِ حیا سر سے پاؤں تک
مرہم کی رکھے چرخ، لب سے کیا امید   ہے پھنسیوں سے آپ لدا سر سے پاؤں تک
آیا رقیب یار وہ پاپوش کے لیے   پاپوش لے کے ٹھیک بنا سر سے پاؤں تک
غمخوار چاہتے ہیں غم کھائیں اور غم   ہے چاہتا کہ یوں اسے کھا سر سے پاؤں تک
دل کی لگی بجھے نہیں ممکن مثالِ شمع   دوں گر چہ سیل اشک بہا سر سے پاؤں تک
جب مرغِ نامہ بر کو دیا میں نے خط شوق   کیا کیا وہ بن کے شوق اڑا سر سے پاؤں تک
صورت کو تیری دیکھ کے آئینے کی طرح   حیرت کا آ کے نقش جما سر سے پاؤں تک
کیا جانیں کس کی چشم کی گردش کو دیکھ کر   چکرا رہے ہیں ارض و سما سر سے پاؤں تک
لپٹے فقیری یاد میں کس برق حسن کی   اوڑھے ہوئے ہے کملی گھٹا سر سے پاؤں تک

فرصت نہیں ہے اتنی بھی شہبازؔ وصل میں
دے کوئی آ کے شال اوڑھا سر سے پاؤں تک

O

کر چکا کرنا تھا جتنا، شور دل — اب تو ہے اک ناتواں کمزور دل
ایک ہی تیراک ہے جانے نہ کیوں — عشق کے دریا کا چھوڑ اور اور دل
کاش وہ آنکھیں بڑھائیں جامِ لطف — کیا گھٹا گیسو کی ہے گھنگھور دل
کس قدر دلکش ہے نیرنگ حنا — مٹھیوں میں رکھتی ہے ہر پور دل
شب عبارت گر ہے اس کی زلف سے — کیا بری ہے رات کیوں ہو بھور دل
زلف کی تاروں بھری چھائی ہے رات — کیوں نہ ہو وہ خوش نہیں شبکور دل
کر دیا ہجراں نے کام ان کا تمام — آرزوؤں کے لیے ہے گور دل
مت مقابل ہو صف مژگاں کے تو — چرخ کی دبتی ہے ان سے کور دل
جانتا ہے تیر کو اس کی شہاب — اور سمجھتا ہے کماں کو غور دل
عقل و دین کی ران جمتی ہی نہیں — نفس سرکش ہے غضب منہ زور دل

کر عنایت یاخدا شہبازؔ کو
عقل ثابت اور درشہ زور دل

O

الفت میں کیا بشر سے بشر بولتے نہیں — کیوں عاشقوں سے رشکِ قمر بولتے نہیں
شریں لبوں کی یاد میں لب ان کے بند ہیں — شاخوں پہ اس لیے یہ ثمر بولتے نہیں
وصلت کی شب کو حلق پہ ہیں پھیرتے چھری — پھیرو چھری پہ مرغ سحر بولتے نہیں
اس رخ کے سامنے نہ چراغ ان کا جل سکا — خجلت کے مارے شمس و قمر بولتے نہیں
آ کر خوشی میں گاتے ہیں اس طرح بدگلو — خوش ہو کے جس طرح کبھی خر بولتے نہیں
کس کو بتا رہی ہے اشاروں سے یہ اصول — یاں دیکھتے ہیں اہل نظر بولتے نہیں

شاعر وہ ہیں جو خامۂ شہبازؔ کی طرح
اشعار لکھتے جاتے ہیں پر بولتے نہیں

O

یہ حوصلے ہمارے نکلے سے کم نہ ہوں گے
جب حوصلے نہ ہوں گے، سمجھو کہ ہم نہ ہوں گے
جس آن تو نہ ہوگا، سچ جان، ہم نہ ہوں گے
اپنی قسم نہ ہوں گے، تیری قسم نہ ہوں گے
فتنے نے گیسوؤں کے وہ اختلاف ڈالا
اتنے بڑے جہاں میں دو دل بہم نہ ہوں گے
میں نے کہا کہ کیا کیا تیرے ستم اٹھائے
بولے وہ اٹھنے والے میرے ستم نہ ہوں گے
ہوں گے بیاں نہ ہرگز اوصاف تیغ ابرو
جب تک کہ عاشقوں کے کچھ سر قلم نہ ہوں گے
کیا کام دل جلوں کو دینار سے، درم سے
داغ جنوں وہ ہوں گے، نقشِ درم نہ ہوں گے
راہیں ہیں زندگی کی کیا اینچ پینچ رکھتی
زلفوں میں یار کی بھی اتنے تو خم نہ ہوں گے
دنیا میں جتنے غم ہیں پیغام ہیں خوشی کے
غمگین ہوگی دنیا جس روز غم نہ ہوں گے
مورثِ مریں گے، وارث گل کی طرح ہنسیں گے
شبنم وہ مثلِ نرگس کچھ چشم غم نہ ہوں گے
غنچے سمٹیں گے زر، ہنس کر لٹائیں گے گل
اس باغ میں کہاں تک جود و کرم نہ ہوں گے
بازار میں رہے گی کوڑی کی بات اپنی
اخلاق کی نظر میں جب تک بھرم نہ ہوں گے
آنکھیں ہی خود ہماری دیکھو تو جام جم ہیں

جم دیکھ کر بنیں گے، یوں ہم تو جم نہ ہوں گے
شہبازؔ مر مٹیں گے جب چال پر ہم ان کی
کیا ساتھ وہ جنازے کے دو قدم نہ ہوں گے؟

O

سخت وحشت زدہ صحرا میں ہوا میرے بعد
نام یوں قیس کو مجنوں کا ملا میرے بعد
پڑ گئے حلق میں صحرائے جنوں کے کانٹے
کہ میسر نہیں ایک آبلہ پا میرے بعد
چاک اس غم سے گریبان کفن ہے کہ نہیں
پیرہن غم سے نہ ہو ان کی قبا میرے بعد
طاق ابرو میں صفیں باندھ جنازے کی نماز
پلکیں کرتی ہیں اشاروں سے ادا میرے بعد
ہاتھ سے جانے کا شہبازؔ کے کچھ غم نہ کرو
کیا عجب دام میں پھنس جائے ہما میرے بعد

❋

O

بوند اشکوں سے اگر لطف روانی مانگے — بلبلا آنکھوں سے خونابہ فشانی مانگے
بحر الفت میں چلا چاہے تو پہلے مستول — تیر سے آہ کے کشتی دخانی مانگے
نکتہ وصل دم عرض قلم پر رکھّے — بوسہ چاہے تو لب شوق زبانی مانگے
تا قیامت دل بیدار سنائے ہر روز — خواب راحت ترا گر روز کہانی مانگے
دل تو دل افعی گیسو وہ بلا ہے کافر — اس کا کاٹا کوئی افعی بھی نہ پانی مانگے
ترے قدموں کی بدولت ہیں نشاں تربت پر — اس سے بڑھ کر کوئی کیا مر کے نشانی مانگے
اس جواں کے غم ہجراں نے کیا ہے بوڑھا — خضر بھی دیکھ کے جس بت کو جوانی مانگے
چاہ میں اس مہ نخشب کے شب و روز ہیں غرق — تاز جس کامہ کنعاں سے شبابی مانگے
خارج امکاں سے ہے شہبازؔ شہیدوں کا شمار
کوئی کس کس کے لیے مرثیہ خوانی مانگے

O

ہوئی جب کہ اس سے ملاقات گہری — تو ہونے لگی شوق کی بات گہری
جواہر پہ بھی وہ ابھرتا نہیں ہے — سمندر کی بے شبہ ہے ذات گہری
جو چومے گا آکر لبوں کو تبسم — تو چھائے گی اس زلف سے رات گہری
گھٹا سے کہو اپنا وہ منہ سنبھالے — مچائی ہے آنکھوں نے برسات گہری
قدم لینے کو گر ادب سے جھکوں میں — پڑے سر پہ جھکتے ہی اک لات گہری
یہاں آج بھی وہ نہانے نہ آیا — وگر نہ لگائی تو تھی گھات گہری
پڑی غیر پر آج محفل میں اس کی — جو دو چار ہلکی تو چھ سات گہری
جو آگے کو شہبازؔ چاہو ابھرنا
کرو اب تلافیِ مکافات گہری

O

نہ اپنا باقی یہ تن رہے گا نہ تن میں تاب وتواں رہے گی
جدائی میں جاں رہے گی تمھیں بتاؤ کہاں رہے گی

مژہ کے تیروں سے چھان دل کو جو چھاننی ہونگہ کو گہری
کھینچی ہوئی دل سے کب تلک یوں تری بھنؤں کی کماں رہے گی

خدا نے منھ میں زبان دی ہے تو شکر یہ ہے کہ منھ سے بولو
کہ کچھ دنوں میں نہ منھ رہے گا نہ منھ میں چلتی زباں رہے گی

دکھا کے تخت وتاج پر بھی گلوں کو روتے ہی ہم نے دیکھا
کہ گاڑ کر خار وخس کا جھنڈا چمن میں ایک دن خزاں رہے گی

دکھائے گا اپنا جب وہ قامت مچے گی یاں طرفہ اک قیامت
نہ واعظوں میں یہ ذکر ہوگا نہ مسجدوں میں اذاں رہے گی

بجے گا کوچوں میں یوں ہی گھنٹہ اذاں یوں ہی ہوگی مسجدوں میں
نہ جب تلک ان کو تو ملے گا تمام آہ وفغاں رہے گی

نہ دیں گے جب تک نگہ کو دل ہم، قرار حاصل نہ ہوگا دل کو
کبھی نہ ہم سانس لے سکیں گے اڑی ہوئی اک سناں رہے گی

زباں پہ شہبازؔ کی ہیں جاری مدام شیریں لبوں کی باتیں
خدا نے چاہا تو نوک خامہ ہمیشہ رطب اللسان رہے گی

قطعات

O

جو گئے چشم پرفسوں کے قریب   حالت ان کی ہوئی جنوں کے قریب
تو ہے قاتل نہ یہ جبیں نہ بھنویں   طشت ہے تیغ آب گوں کے قریب

O

غمزوں نے دکھائی ہمیں جب ناز کی قوت   انداز میں دیکھی قدر انداز کی قوت
کھلنے کو تو ہے پنجڑے کی کھڑکی کوئی دم میں   بازو ہی میں لیکن نہیں پرواز کی قوت

O

کہیں نکلے بھی تو اس دل برخود کام سے کام   خرخشے سے ہمیں کیا کام کہ ہے کام سے کام
ہے جراحت سے غرض دل کو نہ آرام سے کام   ایک لے دے کہ ہے اس ماہ دل آرام سے کام

O

باد پر قائم ہے بستی زندگی میں کچھ نہیں   بلبلے کی سی ہے ہستی آدمی میں کچھ نہیں
اک گھڑی سب کچھ ہے لیکن پھر گھڑی میں کچھ نہیں   آدمی سب کچھ ہے لیکن آدمی میں کچھ نہیں

O

اگرچہ قاعدے تہذیب کے ہم برتے جاتے ہیں   مہذب طور پر وہ بھی کنارہ کرتے جاتے ہیں
نہیں آتی ہے کیوں شہبازؔ اس غفلت کو موت آخر   ہزاروں زندہ دل احباب مرتے جاتے ہیں

O

غم پہ بھی عشرت کا عالم تھا وہ عالم اور تھا   غم! وہ عشرت اور تھی، غم خوار! وہ غم اور تھا
زخم لگ جاتا تھا بے خنجر وہ آفت اور تھی   پھر وہ بھر جاتا تھا بے مرہم، وہ مرہم اور تھا

O

قصیدہ

آ کے رخصت ہوئی برسات۔ گیا آب رواں
ٹھنڈی ٹھنڈی ہے ہوا۔ صاف ہے جاڑوں کا سماں
آنچ ہونے لگی دل میں کوئی دھیمی دھیمی!
بات کرنے میں نکلتا ہے جبھی منہ سے دھواں
مہر کی تیغ میں وہ قہر کی تیزی نہ رہی
چرخ پر لاکھ چڑھے پھر بھی ہے محروم فساں
بید کانپا تو نہیں کوئی تعجب کا محل
صبح ہنستی ہے کہ خورشید تلک ہے لرزاں
پنبۂ ابر کا شاید ہے دھنک مقصود
ہاتھ میں قوس قزح کے نہیں وجہ کماں
جزر و مد اس کو سمجھنا غلطی ہے بھاری
مارے سردی کے سمندر بھی ہے غلطاں پیچاں
اوڑھنے والا یہ ہے جھاگ کی روئی کا لحاف
برف ہو جائے گا جم کر یہ رہا گر عریاں
کوہ لے بھیٔ کہ توکل میں تھے عالی رتبہ
نفع پر کرکے نظر۔ کھول دی روئی کی دکاں
پوپھٹی اور ادھر ان کی تجارت چمکی
چوٹی کیسی، اجی چوٹی نہیں، کوٹھی ہے کلاں

کوہ فریاد و فغاں یم کی سنے یا نہ سنے
لیک ہے بحر تلک اس کا مچا شور و فغاں
فیض سے بحر کے شاید در مقصود ملے
پر بشر طے کہ نہ رکھتی ہو صدف گوش گراں
بحر کے در پہ خدا جانے ہیں کتنے پہرے
برف اور یخ کے 'کہے کون' ہیں کتنے درباں
آبِ سائل کو لپٹ جاتے ہیں کتوں کی طرح
ہے گریباں کوئی پکڑے۔ کوئی تھامے داماں
شاہ خاور کی وہ دیتا ہے دہائی لیکن
کیا کرے گردشِ دوراں سے وہ خود ہے حیراں
دستگیری سے ہو شبنم کی بھی گر عہدہ برا
مثلِ گل مارے خوشی کے رہے دن بھر خنداں
اثر سرد سے لو در پہ شبنم ہے جمی
جوہری کو ہے جبھی لعل پہ ہیرے کا گماں
گلِ شاداب پہ ہیں یہ قطراتِ شبنم
درِ خوش آب کی یا ٹوٹ پڑی ہیں لڑیاں
گوشِ گل کان جواہر ہوئے تو بھی بلبل
گل فشانی بیاں سے ہو جواہر افشاں
کیمیا دیکھو کہ کیا دن کو مذہّب ہے دھوپ
دیکھو اکسیر کہ کیا شب کو مفضض ہے دھواں
دن ہے گھٹتی ہوئی طاقت کہ دہانِ دلبر
رات بڑھتی ہوئی دولت ہے کہ زلفِ جاناں

دن جسے کہتے ہیں رات کو جگنو کی چمک
یا پتنگا سا اڑائے لیے جاتا ہے دخاں
دن ہے یا ریل کا چھوٹا سا برنجی انجن
رات ہے یا کہ ہے پھیلا ہوا کوئلے کا دھواں
دن ہے یا چار گھڑی کی شرر افشانی ہے
رات یا سلسلۂ کوہ ہے اک شعلہ فشاں
شب ہے یا خضر کی داڑھی پہ خضابِ ظلمت
دن ہے یا پردۂ ظلمات میں آبِ حیواں

(باقیاتِ شہباز)

O

وہ پہونچی تیغ سے ہے دل کو راحت کہہ نہیں سکتے
دہانِ زخم بھی لطف جراحت کہہ نہیں سکتے
سلوک ان ناز والوں کا خدائی سے نرالا ہے
محبت کہہ نہیں سکتے عداوت کہہ نہیں سکتے
سمجھ لیتے ہیں اس کو وہ شکایت کیا مصیبت ہے
عزیزوں سے بھی ہم اپنی مصیبت کہہ نہیں سکتے
فریمسین ہیں عاشق اور دہن رازِ فریمسین
کہ دل میں ہے مگر منھ سے حقیقت کہہ نہیں سکتے
عنایت کی نظر سے دل میں وہ خنجر چبھوتے ہیں
اذیت لاکھ ہو ہم تو اذیت کہہ نہیں سکتے
وہ بیٹھے بزم میں ہیں آج کچھ ایسے پری بن کر
کہ ''بیٹھو''! بھی زراہِ آدمیت کہہ نہیں سکتے

سنیں کیا خاک ناصح تو سناتا ہے عجب باتیں
کہ باتیں ہیں سبھی لیکن نصیحت کہہ نہیں سکتے
مریں کیوں جھوٹ دولت پر قناعت ہے عجب دولت
کہ جس کے آگے دولت کو بھی دولت کہہ نہیں سکتے
نہیں جو دیکھتا اس دل ربا کو دل کی آنکھوں سے
نظر والے اسے اہل بصیرت کہہ نہیں سکتے
عبادت میں بھی ہیں سود و زیاں کے رات دن جھگڑے
تجارت یہ تو خاصی ہے عبادت کہہ نہیں سکتے
طریقۂ شیخ صاحب کا سمجھ میں کچھ نہیں آتا
حقیقت کو وہ جانیں پر شریعت کہہ نہیں سکتے
خرد سے لاکھ ہو بیگانگی شہبازؔ عاشق کو
مگر عشق کو اس کی حماقت کہہ نہیں سکتے

دیباچہ،ص۔6

13۔دیباچہ۔زندگانی بےنظیر۔ص3-2

O

حواشی

1۔خیالات شہباز مرتبہ بشریٰ بیگم۔ص۔1
2۔سراج ومنہاج از اختر اورینوی،ص۔1
3۔ذکر ومطالعہ از پروفیسر محمد ذکی الحق۔ص۔13
4۔علی گڑھ تحریک، احتشام حسین،ص۔32
5۔تفریح القلوب،ص۔4
6۔مصنف ''عبدالغفور شہباز حیات اور ادبی خدمات''ص۔60
7۔باقیات شہباز، دیباچہ
8۔طنزیات ومضحکات، رشید احمد صدیقی
9۔سراج منہاج،ص۔51
10۔سراج ومنہاج اختر اورینوی، مضمون شہباز کی شاعری
11۔بنگال میں اردو۔وفا راشدی،ص۔60
12۔ص۔164
13۔مقدمہ نامۂ شوق
14۔ص۔15
15۔دیباچہ رباعیات شہباز،ص۔6
16۔دیباچہ تفریح القلوب،ص۔5
17۔حرفِ اول،ص۔ز
18۔حرفِ اول،ص۔ز
19۔روح نظیر، مخمور اکبرآبادی، دیباچہ،ص۔5
20۔گلزار نظیر، مرتبہ سلیم جعفر
21۔عبدالغفور شہباز حیات اور ادبی خدمات،ص۔54
22۔مکتوبات شہباز،ص۔138
23۔(سرورق نول کشور پریس ایڈیشن)
24۔اردو زبان کی ترقی میں صوبہ بہار کا حصہ،ص۔88
25۔مضمون، عبدالغفور شہباز: زندگانی بےنظیر کی روشنی میں سہ ماہی زبان وادب پٹنہ۔اکتوبر تا ستمبر 1983ء
26۔گلزار نظیر۔مولف سلیم جعفر۔پیش لفظ
27۔دیباچہ، باقیات شہباز

کتابیات

1	مقالات مالیہ	عبدالغفور شہباز	1881	کلکتہ
2	ردنیچری	مرتبہ عبدالغفور شہباز	1883	کلکتہ
3	موعظ حسنہ	عبدالغفور شہباز	1887	لکھنؤ
4	رباعیاتِ شہباز	عبدالغفور شہباز	1891	کلکتہ
5	سوانح عمری مولانا آزاد	مرتبہ عبدالغفور شہباز	1891	پٹنہ
6	کلیات نظیر	عبدالغفور شہباز	1900	لکھنؤ
7	نوابی دربار	عبدالغفور شہباز	1901	لکھنؤ
8	خیالات آزاد	مرتبہ عبدالغفور شہباز	1908	(طبع ثانی) کلکتہ
9	خیالات شہباز	عبدالغفور شہباز	1916	بدایوں
10	تفریح القلوب	عبدالغفور شہباز	1942	کلکتہ
11	زندگانی بےنظیر	عبدالغفور شہباز	1981	دہلی
12	آثار وافکار	ڈاکٹر عبدالخالق	1975	پٹنہ
13	نامۂ شوق	مرتب ڈاکٹر سید محمد صابر حسین	1980	پٹنہ
14	شہباز: بہار میں نظم جدید کا بانی	ایس۔ایم رضوان اللہ	1981	پٹنہ
15	باقیات شہباز	مرتبہ ڈاکٹر سید محمد صابر حسین	1982	پٹنہ

16	عبدالغفور شہباز: حیات اور ادبی خدمات	ڈاکٹر محمد اختر الحسن	1988	نئی دہلی
17	مکتوبات شہباز	مرتبہ ڈاکٹر سید محمد صابر حسین	1989	پٹنہ
18	سراج و منہاج	پروفیسر اختر اورینوی		
19	ذکر و مطالعہ	پروفیسر محمد ذکی الحق		
20	گلزارِ نظیر	سلیم جعفر		
21	روحِ نظیر	مخمور اکبر آبادی		
22	اردو زبان کی ترقی میں صوبہ بہار کا حصہ	سید نجیب اشرف ندوی		
23	بنگال میں اردو	وفا راشد		
24	عبدالغفور شہباز	امام اعظم		

ختم شد